ماہنامہ

انوار مدینہ

شمارہ : ۳	ربیع الاوّل ۱۴۳۰ھ / مارچ ۲۰۰۹ء	جلد : ۱۷

سیّد محمود میاں	سیّد مسعود میاں
مدیر اعلیٰ	نائب مدیر

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۷ روپے.........سالانہ ۲۰۰ روپے

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات.....سالانہ ۷۵ ریال

بھارت، بنگلہ دیش .... سالانہ ۲۰ امریکی ڈالر

برطانیہ، افریقہ .... سالانہ ۲۰ ڈالر

امریکہ .... سالانہ ۲۵ ڈالر

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے

دفتر ''انوارِ مدینہ'' نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور

اکاؤنٹ نمبر انوارِ مدینہ 2-7914 (0954) MCB

جامعہ مدنیہ جدید کا اِی میل ایڈریس

E-mail: jmj786_56@hotmail.com

fatwa_abdulwahid1@hotmail.com

فون نمبرات

جامعہ مدنیہ جدید : 5330311 - 042

خانقاہِ حامدیہ : 5330310 - 042

فون/فیکس : 7703662 - 042

رہائش ''بیت الحمد'' : 6152120 - 042

موبائل : 4249301 - 0333

مولانا سیّد رشید میاں صاحب طابع وناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

حرفِ آغاز		۳
درسِ حدیث	حضرت اَقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ	۶
ملفوظات شیخ الاسلامؒ	حضرت مولانا ابوالحسن صاحب بارہ بنکویؒ	۱۱
حضرت عائشہؓ کی عمر اور حکیم نیاز احمد کا مغالطہ	حضرت اَقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ	۱۳
حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحبؒ	۲۰
سلام بحضور خیر الانام ﷺ	حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ	۳۲
تربیتِ اَولاد	حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ	۳۳
ماہِ ربیع الاوّل اَور مسلمانوں کا طرزِ عمل	حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ	۳۷
ویڈیو اَور سی ڈی سے سکرین پر حاصل شدہ صورت کا حکم	حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب	۴۰
گلدستۂ احادیث	حضرت مولانا نعیم الدین صاحب	۵۲
آہ! ڈاکٹر افتخار صاحب بھی چل دیے	حضرت مولانا نعیم الدین صاحب	۵۵
بزمِ قارئین		۵۷
دینی مسائل		۵۹
اَخبار الجامعہ		۶۱
وفیات		۶۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم اما بعد !

فروری کے آخری عشرہ کی بات ہے ایک صاحب کا فون آیا وہ بیمار تھے اور اپنی بیماری کی وجہ سے اپنے کپڑوں اور جسم کی طہارت اور نمازوں کی ادائیگی کے سلسلہ میں پریشان تھے۔ کہنے لگے کہ مجھے پہلے فالج ہوگیا پھر ہارٹ اٹیک ہوا اور اَب آخر میں برین ہیمرج ہوگیا۔ اَب کپڑے بار بار ناپاک ہوجاتے ہیں کیا کروں وضو بار بار نہیں کرسکتا کیا تیمّم پر اکتفاء کرلوں۔

میں نے کہا کہ اگر وضو پر قدرت ہے اور پانی کے اِستعمال سے مرض میں اضافے کا اندیشہ نہ ہو تو گرم پانی سے وضو کرلیا کریں۔ کہنے لگے گرم پانی بہت دُشواری سے حاصل ہوتا ہے میں غریب محلّہ کا رہائشی ہوں سوئی گیس یہاں نہیں ہے پانی گرم کرنے اور کھانا پکانے کے لیے بیوی کو بار بار بالائی منزل پر جانا پڑتا ہے۔ گھر چھوٹا ہے اِس لیے رہائش نیچے ہے اور باقی کام اُوپر ہوتے ہیں۔

خیر طہارت اور تیمّم سے متعلق جس قدر اُن کے لیے سہولت ممکن تھی وہ بندہ نے بحیثیتِ عالمِ دین اُن کو بتلادیں جس پر وہ خوش بھی ہوئے اور شکر گزار بھی۔ مگر بحیثیتِ انسان اَور ریاست کی رعیت ہونے کے حوالہ سے ریاست کے ذمہ جو اُن کے کم اَز کم بنیادی حقوق وسہولیات ہیں وہ بندہ اُن کو دِل سے چاہتے ہوئے بھی فراہم نہ کرسکا، ظاہر ہے کر بھی نہیں سکتا تھا۔ البتہ دِل میں اُس کا درد محسوس کرتے ہوئے اُن کے لیے دُعا گو

ضرور رہا اور سوچتا رہا کہ اپنے حقوق کے لیے جدو جہد اور اُس کا مطالبہ بھی وہی کر سکتا ہے کہ جس کو آگاہی ہو۔

برِ صغیر کی پسماندگی برقرار رکھنے کے لیے مغرب کے وضع کردہ نظامِ تعلیم اور نظامِ معیشت نے ہر سو ایسا اندھیر مچایا کہ مسلمان مسلمان ہوتے ہوئے بھی خود کو بھلا بیٹھا اور اِسلام کا عہدِ زرّیں نظروں سے ایسا اوجھل ہوا کہ خود حق دار اَپنے فطری استحقاق کو فراموش کر بیٹھا۔

بخاری شریف میں امام بخاریؒ نے ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ ابوجمیلہ نامی ایک صاحب کو ایک بچہ پڑا ہوا ملا وہ اُس کو اُٹھا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لائے، ضروری تفتیش کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچہ اُنہی کے سپرد کرتے ہوئے فیصلہ فرمایا کہ اِس کو تم لے جاؤ (پرورش کرو) اِس کا خرچہ ہم پر ہے (یعنی سرکار پر)۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۶۶)

ایک اور موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں زندہ رہا تو (تقسیمِ مال کا) ایسا نظام وضع کروں گا کہ (دُور بہت دُور یمن میں) سَرْوِ حِمْیَرْ کے چرواہے کو (چراگاہ ہی میں) اُس کا حصہ (مالی وظیفہ) ملا کرے گا (اِس کے حصول کے لیے) اِس کے پیشانی پر پسینہ نہیں آئے گا۔ (مشکوۃ شریف ص ۳۵۶)

حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ جب فتوحات ہوئیں اور بیت المال مستحکم ہوا تو نبی علیہ السلام نے اعلان فرمادیا کہ میں مؤمنین کا اُن سے بڑھ کر والی اور ہمدرد ہوں پس جو بھی مؤمنین میں سے وفات پاجائے اور وہ مقروض ہو یا چھوٹے بچے چھوڑ جائے تو وہ میرے ذمہ ہیں اور جو مال چھوڑے وہ اُس کے ورثا کا ہوگا (ہم اُس سے کچھ نہ لیں گے)۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۲۳)

ایک دُوسری جگہ یہ آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بازار میں جا رہے تھے ایک جوان عورت اُن سے ملیں کہنے لگیں اے امیر المؤمنین میرے شوہر ہلاک ہوگئے اور چھوٹے بچے چھوڑ گئے اور آمدن کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اور میں خود بچوں کو تنہا چھوڑ کر کوئی کام کاج نہیں کر سکتی اور میں خفاف بن ایما الغفاریؓ کی بیٹی ہوں میرے والد حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُس کے حال اور تعارف کے بعد وہیں رُک گئے اور اُسے مرحبا کہا پھر گھر میں بندھے ہوئے اُونٹ پر غلہ کپڑے اور نفقہ لاد کر اُس عورت کو اُس کی لگام تھمادی اور فرمایا کہ لے جاؤ یہ ختم نہ ہو پائے گا کہ اللہ تعالیٰ مزید عطا فرمائیں گے۔ ایک آدمی نے کہا اے امیر المؤمنین آپ نے تو اِسے بہت کچھ

دے دیا آپ نے فرمایا تو مرے.............. پھر آپ نے اُس کے والد اور بھائی کی جہادی مہمات کا ذکر فرما کر اُن کی تعریف کی۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۵۹۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کے علاقوں کی فتح کے موقع پر فرمایا کہ اگر آگے کو وسیع فتوحات کے نتیجہ میں اِسلامی عملداری میں شامل ہونے والے علاقوں کی کثیر رعیت کی اقتصادی بدحالی کا اَندیشہ نہ ہوتا تو میں مفتوحہ علاقوں کی زمینیں صرف مجاہدین میں تقسیم کر دیتا جیسا کہ نبی علیہ السلام نے خیبر کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم فرمادیا تھا لیکن اَب میں اِن جاگیروں کو اِسلامی عمل داری میں آنے والے نئے لوگوں پر خرچ کرنے کے لیے بطورِ خزانہ (اَن لمیٹڈ پیداواری یونٹ کے) باقی رکھوں گا (تاکہ یہ جاگیریں چند لوگوں کے تصرف میں نہ رہیں اور بعد میں آنے والے مفلسوں کو خوشحالی نصیب ہو)۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۶۰۸)

مذکورہ بالا واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اِسلام اپنی عمل داری میں آباد کسی انسان کو بے کس ولاچار نہیں چھوڑتا اُن کے بنیادی حقوق کا مکمل تحفظ کرتا ہے۔ لاہور جیسے بڑے شہر میں آباد ایک محلّہ کی خستہ حالی اور اُس میں بسنے والے ایک گھرانہ کی بدحالی خوشحالوں کے لیے مقامِ عبرت ہے۔ جب ملک بھر میں اِس درجہ پسماندہ اور بنیادی حقوق سے محروم گلی محلوں کی تعداد ہی لا تعداد ہے تو اُن میں بسنے والے ہمارے ہی جیسے انسانوں کی تعداد کا تو اَندازہ ہی کیا۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلم حکمرانوں کو رحم دل بنائے تاکہ وہ بیکسوں کے کام آکر دُنیا و آخرت کی نیک نامی کے مستحق قرار پائیں۔

مولای صل وسلم دائما ابدا — درس حدیث — علی حبیبک خیر الخلق کلهم

حضرتِ اقدس پیر و مرشد مولانا سید حامد میاں صاحبؒ کے مجلسِ ذکر کے بعد درسِ حدیث کا سلسلہ وار بیان ''خانقاہِ حامدیہ چشتیہ'' رائیونڈ روڈ لاہور کے زیرِ انتظام ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' کے ذریعہ ہر ماہ حضرت اقدسؒ کے مریدین اور عام مسلمانوں تک باقاعدہ پہنچایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ کے اِس فیض کو تا قیامت جاری و مقبول فرمائے۔ (آمین)

﴿ تخریج و تزئین : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

(کیسٹ نمبر 58 سائیڈ A 1986 - 05 - 02)

غرغرے کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی

گناہوں سے حبطِ عمل اور اُس کے درجے

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلٰوۃ والسلام علٰی خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد وآله واصحابه اجمعین امابعد!

حضرتِ آقائے نامدار ﷺ نے اِرشاد فرمایا اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ کَانَتْ نُکْتَةٌ سَوْدَاءَ فِیْ قَلْبِهٖ اُس کے دل میں سیاہ نقطہ سا بن جاتا ہے فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ اگر وہ توبہ کرلے ''توبہ'' کا مطلب ہے گناہوں سے رُجوع کرلینا وَاسْتَغْفَرَ خدا سے مغفرت چاہنا معافی چاہنا صُقِلَ قَلْبُهٗ تو اُس کا دل صاف ہوجاتا ہے صیقل ہوجاتا ہے وَاِنْ زَادَ اگر وہ گناہ مزید کرتا ہی رہے زَادَتْ تو یہ سیاہی بھی بڑھتی رہتی ہے حَتّٰی تَعْلُوَ قَلْبَهٗ حتی کہ وہ اُس کے دل کو ڈھانپ لیتی ہے، اُس وقت جب یہ حالت ہوجائے کہ دل کو ڈھانپ لے سیاہی اُس کو بتاتے ہیں رسول اللہ ﷺ کہ اُس کو قرآنِ پاک میں ''رَیْن'' کہا گیا ہے۔

اور اِرشاد ہے سُورۂ وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ میں کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ اُن کے دلوں پر ''رَیْن'' کی کیفیت پیدا کردی ہے جو کام کرتے تھے اُن کاموں نے یعنی برائیوں نے جن سے اُنہوں نے توبہ نہیں کی اِستغفار نہیں کیا تھا اِس کی وجہ سے اِس حالت پر پہنچ گئے۔

''توبہ'' کا مطلب ہے بُرائی کو بُرائی سمجھ کر چھوڑ دینا خدا کی طرف رُجوع کرنا اور ''استغفار'' کا مطلب ہے خدا سے اُن کی معافی کو چاہنا۔قرآنِ پاک میں جوآتا ہے کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ کَلَّا اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے اَور اِن کے درمیان حجاب ہوگا یہ حجاب میں رکھے جائیں گے اللہ کی رؤیت سے۔تو یہ حالت توبہ نہ کرنے سے ہوتی ہے اَور اگر توبہ کرتا رہے تو پھر فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کہ وہ صاف ہوتی رہتی ہے۔ [1]

غرغرے کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی اَور اِس کی وجہ :

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَقْبَلُ تَوْبَۃَ الْعَبْدِ مَالَمْ یُغَرْغِرْ [2] اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ قبول فرماتے رہتے ہیں جب تک اُس کی غرغرے کی کیفیت نہ ہو،غرغرے کی کیفیت میں تو وہ عالَم نظر آنے لگتا ہے اُس کو یہاں سے غفلت ہوجاتی ہے وہی چیزیں سامنے نظر آتی ہیں تو اُس وقت اگر توبہ کرے گا تو وہ معتبر نہیں کیونکہ اُس وقت کی توبہ اَور اُس وقت کا اِیمان ایمان بالغیب نہیں ہے اَور قرآنِ پاک میں ہے وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ اُس وقت تو دیکھ کر ایمان خود بخود ہی آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا ہے کہ میں بندوں کی توبہ قبول کرتا رہتا ہوں اَور یہ وعدہ ہو گیا اللہ کا کہ جب کوئی توبہ کرے گا تو وہ قبول فرمائے گا یہ اُس کا وعدہ ہے۔مگر کب تک؟ مَالَمْ یُغَرْغِرْ جب تک غرغرے کی کیفیت نہ ہو،غرغرے سے مراد وہ عالَم روشن ہونا ہے جیسے قرآنِ پاک میں آتا ہے اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰھُمُ الْمَلٰئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَالُوْا فِیْمَ کُنْتُمْ ملائکہ اُن سے پوچھتے ہیں جنہوں نے زیادتی کی ہے اپنے آپ پر یعنی گناہ کے کام کیے ہیں اَور کہیں یہ آتا ہے وَالْمَلٰئِکَۃُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْھِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ فرشتے ہاتھ دَراز کیے ہوئے ہوتے ہیں کہ اپنی جان اِدھر لاؤ نکالو اَور وہ ہٹتا ہے پیچھے، تو یہ کیفیت اُن لوگوں کی ہے جو کفر پر ہیں معاذ اللہ۔اَور ڈرایا یہی گیا ہے حدیث شریف میں کہ یہ گناہ جو ہیں یہ بڑھتے بڑھتے بڑھتے بڑھتے بہت دُور لے جاتے ہیں اُس کو،معاذ اللہ نفاق اَور کفر تک لے جاتے ہیں کیونکہ جب یہ بڑھتا ہی جائے گا اَور آدمی توبہ کرے گا ہی نہیں تو پھر وہ دُوسری طرف ہی نکل جائے گا۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص۲۰۴

خاص مصیبتوں اَور بیماریوں سے پناہ :

کچھ مصیبتیں بھی ایسی ہیں جن میں بتایا گیا کہ اِن سے پناہ چاہنی چاہیے اللہ سے کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ یہ فقر بھی قریب ہے کہ کفر ہوجائے، خود پناہ مانگی ہے آپ نے قرض سے دَین سے وغیرہ۔ ایک صحابیؓ نے پوچھا کہ آپ بہت زیادہ اِس سے پناہ مانگتے ہیں تو فرمایا کہ اِنسان جب مقروض ہوجاتا ہے زیر بار ہوجاتا ہے تو وعدہ بھی کرتا ہے تو جھوٹا وعدہ ہوتا ہے وَعَدَ فَاَخْلَفَ نہیں پورا کرسکتا۔

اَور بیماریوں سے بھی اللہ کی پناہ کا بتایا گیا ہے مثلاً سَیِّءِ الْاَسْقَامِ بُرے اَمراض سے، بڑھاپا تو کوئی بات نہیں بڑھاپے میں حواس نہ رہنا بہت بُری بات ہے۔ قرآنِ پاک میں ہے ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ پھر لوٹا کے بہت ہی بدترین عمر کے حصّے میں اُس کو پہنچادیا جاتا ہے لِکَیْلَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا ایسا دَور آتا ہے کہ جاننے کے بعد پھر ایسا ہوجاتا ہے جیسے کچھ نہیں جانتا اَور وَمَنْ نُّعَمِّرْہُ نُنَکِّسْہُ فِی الْخَلْقِ جس کی عمر بہت لمبی کردیتے ہیں اُس کو پھر اُلٹا لوٹا دیتے ہیں اُس کی پیدائش کی طرف (بچہ کی طرح) بس پھر وہ کم عقلی کی طرف آجاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے پناہ مانگی ہے اِس سے اَور بتایا ہے کہ پناہ مانگو وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں کہ مجھے عمر کے بدترین حصّے کی طرف لوٹایا جائے۔

بہت بہت بیمار ہوجاتے ہیں بہت بہت بوڑھے ہوجاتے ہیں کئی کئی سو سال کی عمریں ہوتی ہیں لیکن حواس صحیح رہتے ہیں تو یہ خدا کا اِنعام ہے اَور حواس صحیح نہ رہیں تو اُس سے پناہ چاہی ہے وہ ہے اَرْذَلِ الْعُمُرِ عمر طویل نہیں بلکہ اَرْذَلِ الْعُمُرِ سے مراد وہ ہے کہ جس میں حواس صحیح نہ رہیں لِکَیْلَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا جاننے کے بعد ایسے ہوجائے جیسے کچھ جانتا ہی نہیں یہ نہ ہونے پائے اِس سے پناہ مانگی ہے اِسی طرح بہت چیزیں بتائی گئی ہیں جو اِتنی ہیں کہ وہ اِسلام کے علاوہ کہیں اَور نہیں ہے کیونکہ یہ تعلیمات تو رسول اللہ ﷺ سے اَب تک محفوظ چلی آرہی ہیں اَور سب وہ ہیں جو قرآنِ پاک سے مطابقت رکھتی ہیں جو صحت کی دلیل ہے۔ تو آقائے نامدار ﷺ نے توبہ بتلائی ہے اَور وہ اُس وقت سے پہلے پہلے بتلایا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ جب تک غرغرے کی کیفیت نہ ہو وہ عالَم نظر نہ آئے اُس وقت تک ایمان بھی معتبر ہے توبہ بھی معتبر ہے۔

گناہوں سے حبطِ عمل ہو جاتا ہے اَور حبطِ عمل کے درجے :

میں یہ ذکر کر رہا تھا کہ گناہ جو ہیں وہ لے جاتے ہیں کفر کی طرف جیسے کہ قرآنِ پاک میں کافروں کے بارے میں ہے کہ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اُن کے اعمال جو ہیں بے وزن ہو گئے ساقط الاعتبار ہو گئے اَور یہ بھی ہے کہ جو نبی علیہ السلام کی نافرمانی کرے گناہ کرے بے اَدبی کرے تو اُسے ڈرنا چاہیے اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ تو یہ ''حبطِ عمل'' ایک لفظ ہے جو قرآنِ پاک میں آیا ہے اِس کی درجہ بندی کی ہے، حبطِ اعمال کا درجہ کم سے کم تو یہ ہے کہ جس طرح کسی عمل کو کرنا چاہیے آدمی اُس طرح نہ کرے اُسے، جس طرح انجام دینا چاہیے اُس طرح انجام نہ دے سکے یہ بھی ایک حبطِ عمل ہے نقصان ہے عمل میں اَور اِس سے آگے جو اَور درجات ہیں حبطِ عمل کے اُن میں خدا کے یہاں ایک اِحباط ''توقیفی'' بھی ہوتا ہے وہ اس طرح کہ اُس کے سارے کام بے کار گئے ایسے کہ اُس کو ایک جگہ ٹھہرا دیا گیا سزاءً کھڑا کر دیا گیا روک دیا گیا۔ اور ''تعذیبی'' بھی ہوتا ہے وہ ایسے ہوتا ہے کہ اُس کی نیکیاں اِکارت گئیں معاذ اللہ اَور اِتنی کہ تعذیب کا نمبر آیا گویا احباطِ تعذیب ہو گیا کہ اُس میں خدا کی طرف سے گرفت کی جائے اَور عذاب میں مبتلا رہے معاذ اللہ، تین تو یہ ہو گئے چوتھا جو بنتا ہے درجہ وہ ہے ''احباطِ کلی''۔ احباطِ کلی کا مطلب تو یہ ہے کہ بالکل عمل ختم، کچھ رہا ہی نہیں اِس کا مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ رفتہ رفتہ رفتہ ہوتے ہوتے اِتنا وہ بڑھ گیا کہ ایمان سے نکل گیا تو یہ احباطِ کلی ہوگا۔ یہ بہت بڑی اَور بہت خطرناک چیز ہے اللہ تعالیٰ ہر قسم کے حبطِ عمل سے پناہ میں رکھے اپنے فضل و کرم سے۔ مبتلا تو سب ہیں کسی نہ کسی قسم کے حبطِ عمل میں باقی اللہ کی گرفت نہ ہو اَور رحمت رہے شامل حال تو پھر وہ بچ جاتا ہے۔

یہاں یہ بتلایا گیا کہ جس نے کتنے بھی گناہ کر لیے ہوں لیکن وہ توبہ کی طرف آ رہا ہے اَور اَبھی زندگی باقی ہے ایک دن بھی باقی ہے ایک گھنٹہ بھی باقی ہے آدھا گھنٹہ پانچ منٹ بھی باقی ہیں توبہ کر سکتا ہے جب توبہ کرلے گا تو قبول ہو جائے گی مَالَمْ یُغَرْغِرْ۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ شیطان نے کہا ہے وَعِزَّتِكَ یَارَبِّ لَا اَبْرَحُ اُغْوِیْ عِبَادَكَ مَادَامَتْ اَرْوَاحُهُمْ فِیْ اَجْسَادِهِمْ خداوندِ کریم تیری عزت کی قسم اے پروردگار میں تیرے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں گا جب تک اُن کی رُوحیں اُن کے جسموں میں رہیں گویا زندگی بھر تو اللہ تعالیٰ نے اِس کے بالمقابل اپنی رحمت کا وعدہ فرمایا فَقَالَ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ : وَعِزَّتِیْ

وَجَلَالِیْ وَارْتِفَاعِ مَکَانِیْ اپنی عزت اپنے جلال اَور اپنے مکان کی بلندی کی قسم ہے لَااَزَالُ اَغْفِرُ لَھُمْ مَااسْتَغْفَرُوْنِیْ [۱] تو جب تک وہ اِستغفار کرتے رہیں گے میں اُن کو بخشتا ہی رہوں گا تو اِستغفار بہت بڑی چیز ہے۔ ''توبہ'' یعنی گناہ سے رُجوع کرنا ''اِستغفار'' یعنی خدا سے معافی اَور اُس کی رحمت طلب کرنا یہ نہایت ضروری ہے۔ [۲]

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمتوں سے نوازے دُنیا اَور آخرت میں، آمین۔ اختتامی دُعاء......

جامعہ مدنیہ جدید کے فوری توجہ طلب ترجیحی اُمور

(۱) زیرِ تعمیر مسجد حامدؒ کی تکمیل

(۲) طلباء کے لیے مجوزہ دَارالاقامہ (ہوسٹل) اور درسگاہیں

(۳) اَساتذہ اور عملہ کے لیے رہائش گاہیں

(۴) کتب خانہ اور کتابیں

(۵) زیرِ تعمیر پانی کی ٹنکی کی تکمیل

ثواب جاریہ کے لیے سبقت لینے والوں کے لیے زیادہ اَجر ہے۔

---

[۱] مشکوۃ شریف ص ۲۰۴ [۲] ان سے مراد وہ گناہ ہیں جو حقوق اللہ سے متعلق ہوتے ہیں اور جو گناہ بندوں کے حقوق سے تعلق رکھتے ہوں اُن میں صرف دل میں ندامت اور اعتراف کافی نہیں ہے جس بندہ کا حق تلف کیا اور اُس کے ساتھ ظلم وزیادتی کی ہو اُس کو اُس کا حق ادا کرنا یا اُس سے معاف کرانا بھی ضروری اور لازمی ہے اِس کے بغیر اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں فرماتے۔ (محمود میاں غفرلہٗ)

ملفوظات شیخ الاسلام

حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

﴿ مرتب : حضرت مولانا ابوالحسن صاحب بارہ بنکوی رحمہ اللہ ﴾

☆ میں اللہ داد پور قصبہ ٹانڈا ضلع فیض آباد کا باشندہ ہوں، اللہ داد پور قصبہ ٹانڈہ سے بالکل متصل ہے،تقریباً سو برس یا اس سے زائد ہمارے خاندان کی جائے سکونت ہے، وہاں کے اَطراف و جوانب میں ضلع سلطان پور، اعظم گڑھ اور فیض آباد کے دیہات اور قصبات ہیں،صرف سادات اور بڑی ذات کے شیخ زادوں میں ہماری رشتہ داریاں صدیوں سے چلی آرہی ہے، ہمارا آبائی پیشہ زمینداری اور پیری مریدی ہے۔شاہانِ دہلی مغلیہ خاندان کے ابتدائی بادشاہوں نے ہمارے اعلیٰ مورثوں کو ۲۴ گاؤں دیے تھے جن میں ۱۸۵۷ء تک ۱۳ باقی رہ گئے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں ایک ہندو راجہ نے جس سے پہلے عداوت چلی آرہی تھی بڑوں کے انتقال اور بد عملی کی وجہ سے سب پر قبضہ کرلیا اور اللہ داد پور لُوٹ لیا۔ ہمارے قدیمی کاغذات وغیرہ پر بھی قبضہ کرلیا بے شمار خزانے اور غلّہ اور سامان اُس نے لُوٹے جس کو وہ ایک مہینہ تک گاڑیوں میں منتقل کرتا رہا۔

☆ نجدیوں میں اعتدال پسندی نہیں ہے۔

☆ بُرائی بہرحال برائی ہے خواہ اُس کا صدور .... والدین کی طرف سے کیوں نہ ہو۔

☆ جس چیز سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے۔

☆ جو چیز اللہ ورسول کو پسند ہے وہی ہم کو بھی محبوب ہے۔

☆ ان عربی ممالک کے باشندوں پر حُبِّ دُنیا غالب ہے، دُنیا کے لیے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں، ہمارے پیشِ نظر خدا اور رسول کی خوشنودی حاصل کرنا اور دین کی خدمت کرنا ہے جہاں بھی یہ مقصد حاصل ہو ہم کامیاب ہیں، اِسی خدمتِ دین کے لیے صحابہ رضوان اللہ علیہم وتابعین کرام نے باوجود حُبِّ رسول ومحبتِ مدینہ کے مدینہ منورہ کو چھوڑا۔

☆ فرصت کے اَوقات میں سید احمد شہید رحمہ اللہ کے ملفوظات کا مطالعہ کیجیے جس کو مولانا اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ نے

جمع کیا ہے اور اِمدادُ السلوک بھی، یہ تصوف کی بلند کتابیں ہیں، وسوسہ وخطراتِ نفس کی فکر نہ کیجیے حتی الامکان ان کے دفع کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

☆ جو حضرات پہلے سے معتقد علیہم ہیں یا جن کے افعال و اقوال مسائلِ خاصہ کے سوا مرضیٰ و پسندیدہ ہیں اُن کے ساتھ بداعتقادی وغیرہ نہ چاہیے حسنِ ظن رکھنا چاہیے، ہمارے لیے مشاجراتِ صحابہ[1] رضوان اللہ علیہم اجمعین درسِ عبرت ہیں۔

☆ ہر شخص جس راستہ سے فیض یاب ہوا ہے اُس کے گیت گاتا ہے اور اُسی کا مداح وثناء خواں ہوتا ہے اور یہ اُس کا فریضہ ہے ورنہ لطفِ خداوندی منحصر کسی خانوادہ اور کسی طریقہ میں نہیں ہے ہاں اَزمنہ مختلفہ میں اِسی طرح تبدیل ہوتا رہتا ہے جیسا کہ کاشتکار کبھی کسی نالی سے پانی جاری کرتا ہے اور کبھی کسی نالی سے۔ فیض مبداء فیاض [2] بھی اِسی طرح اُلٹ پلٹ کرتا رہتا ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اپنے طریقہ کا گیت گاتے ہیں وہ سچ فرماتے ہیں اُن کو وہاں ہی فیضِ اتم حاصل ہوا اور اُس زمانہ میں توجہ اور عنایاتِ الٰہی اِس طرف بہت زیادہ مبذول [3] تھیں مگر نہ ہمیشہ پہلے تھیں اور نہ بعد کو ہوئیں۔

☆ ہمارے اَسلافِ کرام میں عنایاتِ الٰہیہ سلوک چشتیہ میں بہت زیادہ مبذول ہوئیں جو کہ اَزمنہ اَخیرہ [4] میں دُوسرے طرق میں اپنا مثیل نہیں رکھتیں [5]

☆ دُشمنوں سے محفوظ رہنے کے لیے فجر کے فرض اور سنت کے درمیان چالیس دفعہ سورۂ فاتحہ اوّل وآخر دُرود شریف تین بار پڑھ لیا کریں۔

☆ اِنسان کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر خوش وخرم اَور شاکر رہے۔ رضا بالقضاء اُصولی مسئلہ ہے یہ تو عبدیت کا تقاضہ ہے اور منزلِ عشق میں تو رضائے محبوب میں عاشق کا فنا ہونا اَز بس ضروری ہے۔

---

[1] صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلافات [2] اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والا فیض [3] متوجہ [4] بعد کا دَور [5] اُن جیسا کوئی نہیں۔

علمی مضامین سلسلہ نمبر۳۱، قسط : ۱۲

"الحامد ٹرسٹ" نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تاحال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر اِن کو شائع کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (اِدارہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اور حکیم نیاز احمد صاحب کا مغالطہ

حضرتِ اقدس رحمہ اللہ اور حکیم نیاز احمد صاحب کے درمیان خط و کتابت [۱]

حکیم نیاز احمد صاحب کا خط

محترمی حضرت مولانا ! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ باعثِ کرامت ہوا۔ آپ کی تحریر سے کئی گوشے سامنے آرہے ہیں۔ میں اِس مکاتبت کو مفید تصور کرتا ہوں۔

بات یہ ہے کہ میں ایک طبیب ہوں۔ نسخے لکھنا میرا کام ہے اِس میں بھی کماحقہ دسترس نہیں ہے۔ شُد بُد ضرور ہے الحمدللہ۔

---

[۱] گزشتہ شماروں میں قارئین نے جہلم کے حکیم فیض عالم صاحب کی حضرت اقدس قدس سرہ العزیز سے طویل خط و کتابت ملاحظہ فرمائی، اَب اپریل ۲۰۰۸ء کے شمارہ سے سرگودھا کے حکیم نیاز احمد صاحب کی حضرت اقدس رحمہ اللہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضور اکرم ﷺ سے شادی کے وقت عمر کے متعلق طویل خط و کتابت ملاحظہ فرمائیں گے۔ حکیم صاحب نے اِس سلسلہ میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے حکیم صاحب کو مغالطہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نکاح و رُخصتی کے وقت جو عمر اَحادیث میں آئی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ پیش نظر صفحات میں اِسی خط و کتابت کو دیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

حصولِ تعلیم کے بعد کتابوں کو لوٹ کر دیکھا ہی نہیں۔ تعلیم کے دوران ضابطے کے مطابق حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ سے بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھیں۔ دَورے کی باقی کتابیں دُوسرے اَساتذہ سے پڑھیں اور امتحان دے کر گھر چلے آئے۔ فنون کی کتابیں تو زیرِ مطالعہ آتی رہیں مگر حدیث شریف کی کتابیں دوبارہ پڑھنے کی نوبت نہیں آئی۔ اِس لیے فنِ حدیث میں نہ میرا کوئی مقام ہے اور نہ میں اِس کا مدعی ہوں۔

تعلیم سے فراغت کے برسوں بعد میں نے صرف روایتِ تزوج پر کام شروع کیا اور مسلسل کئی سال کی محنت کے بعد اِس سے فارغ ہوا اَور مختلف علماء سے تبادلہ خیالات کرتا رہا۔ مولانا الیف اللہ صاحب عثمانی تو اِس کام میں برابر شریک رہے پھر دس سال تک اِس کام کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اَب خیال آیا کہ یہ ایک علمی کام ہے علماء کے سامنے آنا چاہیے۔ اِس سلسلہ میں بیسیوں سفر کیے۔ مختلف کتب خانوں میں پہنچا۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں پڑھنے جاتا تھا۔ اور یہاں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھوی صاحب مرحوم کے کتب خانہ میں مہینوں بیٹھا رہا۔ مطب بند کر دیا تھا۔ اُن کے کتب خانے کی بہت سی کتابوں کو پہلی دفعہ میں نے دیکھا۔ اُس وقت تک اُن کے اَوراق بھی نہیں کٹے تھے، رجال کی جو کتابیں مہیا ہو سکیں اُن کو بار بار مطالعہ کیا۔

غرض حدیث میں روایتِ تزوج کا میں الحمد للہ حافظ ہوں۔ میں نے جو کچھ کیا خلوصِ نیت سے کیا۔ صرف اپنی تسکینِ قلب کے لیے کیا اور طالبعلمی ہی کے زمانہ سے اِس مسئلہ میں جو اشکال ہوتا تھا اُس کی تحقیق کے لیے کیا۔ میں نہ کوئی عالم ہوں نہ مصنف۔ میرے دل میں ہرگز یہ ہوس نہیں ہے کہ میرا نام ہو۔ میں تو ایک معمولی طالبعلم ہوں اور یہ بھی طلب علم ہی ہے۔

مقدمات کے بغیر نتیجہ تک پہنچنا نہ صحیح طریقہ ہے اور نہ مفید۔ آپ کے ذہن میں یہ روایات اِس طرح مرتسم ہیں کہ اُن کی وجہ سے کوئی دلیل بھی قوی ثابت نہیں ہو سکتیں۔ یعنی صرف اِتنی بات کہ روایتِ ہشام محدثین کے نزدیک اَصل روایت ہے اَور دُوسرے رُواۃ کی روایات متابع ہیں، اَب تک آپ سے اِس کی سندِ قبولیت حاصل نہ ہو سکی۔

میں جانتا ہوں کہ سفیان بن عیینہؒ مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گئے تھے اور اِسی کو وطن بنالیا تھا۔ وہیں اُن کی وفات ہوئی۔ امام شافعیؒ نے یہ روایت اِن سے مکہ مکرمہ میں ہی سنی ہوگی۔ مگر میں نے تو اپنے خط میں کہیں بھی

نہیں لکھا کہ امام شافعیؒ نے یہ روایت اُن سے کہاں سنی۔ میں تو یہ عرض کر رہا ہوں کہ سفیان بن عیینہ نے یہ روایت ہشام بن عروہ سے کوفہ میں سنی اور وہیں دُوسرے کوفی حفاظ نے بھی یہ روایت اُن سے سنی۔ اور عرض کیا تھا کہ روایتِ ہشام ہی اَصل میں کوفی روایت ہے کیونکہ اُن کوفی حفاظ نے اُن سے براہِ راست کوفے میں سنا ہے۔ اِس پر میں نے اپنے مضمون میں مفصّل بحث کی ہے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ ''ابو معاویہ کے سوا اَعمش سے روایتِ اَسود کا پورے ذخیرۂ حدیث [1] میں کوئی راوی نظر نہیں آتا''۔ اِس جملہ کو آپ نے میری طرف سے اِدّعاء خیال فرمایا اور اِس طرزِ تحریر کو خلافِ تقوی فرمایا اور یہ دلیل بیان فرمائی کہ ''پورا ذخیرۂ حدیث نہ میرے پاس ہے نہ آپ کے پاس بلکہ عشر بھی نہیں ہے'' میری مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ جو ذخیرۂ حدیث میری نظر سے نہیں گزرا اُس کے متعلق بھی یہ دعوی کر رہا ہوں اور نہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ دُنیا میں کوئی حدیث کی کتاب ایسی نہیں جو میں نے نہ دیکھی ہو۔

میری مراد متداول ذخیرۂ حدیث سے ہے۔ اُس کی میں نے ورق گردانی کی ہے اور تلاش کیا ہے مگر مجھے ایسا نہیں ملا۔ اور یہ خالی امکان والی دلیل سمجھ میں نہیں آئی کہ چونکہ ہمارے پاس عشر عشیر بھی نہیں ہے اِس لیے اِس سے جو علاوہ ہے اُس میں اَعمش سے ابو معاویہ کا اور بھی کوئی راوی ہوگا۔ صحیح طریقہ یہ تھا کہ آپ اَعمش سے ابو معاویہ کے علاوہ کوئی دُوسرا راوی بیان فرما دیتے اور آپ کو لکھنے کا مقصد تھا بھی یہی۔

حضرت! میرا مقصد پورے ذخیرۂ حدیث سے وہی ہے جو دستیاب ہے۔ جو دستیاب ہی نہیں وہ زیرِ بحث آ ہی نہیں سکتا۔ آپ نے اِس روایت کو مشہور فرمایا۔ مگر علامہ ابن ہمامؒ نے '' هٰذَا النَّصُّ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُتَوَاتِرِ '' فرمایا۔ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہٗ نے بھی فتح الملہم میں یہی فرمایا ہے۔ آپ تو ابھی ایک قدم پیچھے ہیں۔

حضرت ! میرے پاس اور بھی ثبوت ہے کہ یہ روایت عَنْ اَعْمَشَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَسْوَدَ ہے ہی نہیں۔ لیکن اَصل اور متابع کی بحث طے ہو تو آگے چلیں۔ اِتنی واضح اور سادہ بات میں میں اور آپ اَب تک متفق نہ ہو سکے کہ اَصل روایت کونسی ہے اور متابع کونسی۔ میرے استدلال کی بنیاد ہی یہ ہے کہ اَصل روایت

---

[1] میرے اصل مسودے میں ''پورے معلوم ذخیرۂ حدیث میں'' تھا نقل کرنے میں ''معلوم'' رہ گیا۔

ہشام بن عروہ کی ہے آپ اِسے مشہور فرمائیں۔ یا قریب من التواتر کہا جائے۔ اِس سے میرے استدلال پر کوئی اَثر نہیں پڑتا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ روایت ۹ کوفی حفاظِ حدیث نے کوفے میں ہشامؒ سے سنی۔

بہرحال اِس نتیجہ تک پہنچنے کے لیے جن چند مقدمات کی ضرورت ہے اُن میں یہ پہلا مقدمہ ہے کہ روایتِ ہشام اَصل روایت ہے۔ اور جب تک یہ مقدمات میں آپ کے سامنے پیش نہیں کروں گا اُس وقت تک آپ کیسے اِس نتیجہ پر پہنچیں گے جس تک میں پہنچا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ متابع کی بحث بعد میں کی جائے۔ اَصل روایت پر گفتگو کے دوران متابعات کی بحث میں میں اُلجھنا نہیں چاہتا۔ مجھے اِس پر اِس لیے اِصرار ہے کہ نتیجہ تک پہنچنے کے لیے یہ ترتیب ضروری ہے۔

اِس خط کے جواب کے بعد اِنشاء اللہ دُوسرا مقدمہ پیش کروں گا۔ رہا تقوی کا معاملہ تو اِس سلسلہ میں صرف اِتنا عرض ہے کہ یہاں تو زندگی ساری کی ساری لغزشوں اور خطاؤں سے عبارت ہے۔ اللہ تعالیٰ متقیوں کا دامن پکڑ لینے کی توفیق عطا فرمائے تو یہی بڑی کامیابی ہے۔ دُعا کی ضرورت ہے۔ وہی رحیم وکریم اور غفار الذنوب ہے۔

اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَ لَسْتُ مِنْھُمْ لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحًا

راقم

نیاز احمد

۲۴ر فروری ۸۱ء

محترمی ومکرمی دام مجدکم !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ موصول ہوا۔ ہم سب ہی گناہگار ہیں۔ سوائے رحمتِ رب کوئی سرمایہ نہیں۔ جناب نے معلوم ہوتا ہے واقعی برسوں محنت کی ہے۔ اور مجھے بھی یہی محسوس ہوتا تھا کہ کوئی بات نوعمری میں ذہن میں بیٹھ گئی اور وہ پکتی رہی ہے جیسے مودودی صاحب کے ذہن میں اَب سے ستاون سال پہلے سے حضرت عثمان غنی

رضی اللہ عنہ کے بارے میں اعتراضات پیدا ہوئے تھے جو بڑھتے ہی رہے ______ میں تو اِس بحث میں چند ماہ سے داخل ہوا ہوں۔ خالی الذہن ہی تھا۔

البتہ جو بات حدیث میں آئی ہو اُس کی حکمت بتلانا یہ ضروری ہوتا ہے صرف اِتنا ہی بیان ہوتا تھا۔ ایک صاحب نے انہی دِنوں حکیم فیض عالم کے رسالہ کی طرف توجہ دلائی۔ وہ میں نے منگایا بھی مگر اَب تک بھی اُسے نہیں پڑھ سکا ہوں۔ یونہی اُوپر کتب خانے میں بھجوا دیا۔

میرے عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ سفیان بن عیینہ بچپن ہی میں کوفہ سے باہر آ گئے تھے اور دس سال کے تھے کہ زہری اور عمرو بن دینار کی مجلس میں آنے لگے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اُن کے والد اَصل میں مکہ مکرمہ کے رہنے والے تھے۔ گویا وہ والد کا وطن ہونے کی وجہ سے وہاں بہت بہت رہنے لگے تھے۔ تعلمًا وہ حجازی بن گئے لَوْلَا سُفْیَانُ وغیرہ کے ساتھ یہی لکھا ہوا ہے۔ لَذَھَبَ عِلْمُ اَھْلِ الْحِجَازِ ملاحظہ فرمالیں۔

تذکرة الحفاظ، تهذیب التهذیب، کفایه فی علم الروایه اور **المحدث الفاصل** سہولت کے لیے کچھ عبارتیں لکھ رہا ہوں تاکہ مراجعت میں دُشواری نہ ہو۔ **تذکرة الحفاظ** میں ہے وَطَلَبَ الْعِلْمَ فِیْ صِغَرِہٖ (۲) قَالَ الشَّافِعِیُّ لَوْلَا مَالِکٌ وَسُفْیَانُ لَذَھَبَ عِلْمُ الْحِجَازِ . وَعَنِ الشَّافِعِیِّ قَالَ وَجَدْتُّ اَحَادِیْثَ الْاَحْکَامِ کُلَّھَا عِنْدَ مَالِکٍ سِوٰی ثلَا ثِیْنَ حَدِیْثًا وَوَجَدْتُّھَا کُلَّھَا عِنْدَ ابْنِ عُیَیْنَۃَ سِوٰی سِتَّۃِ اَحَادِیْثَ قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَھْدِیٍّ کَانَ ابْنُ عُیَیْنَۃَ مِنْ اَعْلَمِ النَّاسِ بِحَدِیْثِ اَھْلِ الْحِجَازِ . (تذکرة الحفاظ ج اص ۲۶۲.۲۶۳)

تهذیب التهذیب میں ہے : وَقِیْلَ اِنَّ اَبَاہُ عُیَیْنَۃَ ھُوَالْمَکِّیُّ اَبَاعِمْرَانَ (۲) وَقَالَ الشَّافِعِیُّ لَوْلَامَالِکٌ وَسُفْیَانُ لَذَھَبَ عِلْمُ اَھْلِ الْحِجَازِ . وَقَالَ یُوْنُسُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰی سَمِعْتُ الشَّافِعِیَّ یَقُوْلُ مَالِکٌ وَسُفْیَانُ الْقَرِیْنَانِ . وَقَالَ اَبُوْحَاتِمِ الرَّازِیُّ وَاَثْبَتُ اَصْحَابِ الزُّھْرِیِّ مَالِکٌ وَابْنُ عُیَیْنَۃَ ____ وَقَالَ اللَّالِکَائِیُّ __ وَاَجْمَعَ الْحُفَّاظُ اَنَّہٗ اَثْبَتُ النَّاسِ فِیْ عَمْرِ وبْنِ دِیْنَارٍ . (ص ۱۱۷ تا ۱۲۲ ج ۴)

کفایه فی علم الروایه میں ہے کہ امام احمدؒ نے فرمایا : اَخْرَجَہٗ اَبُوْہُ اِلٰی مَکَّۃَ وَھُوَصَغِیْرٌ فَسَمِعَ مِنَ النَّاسِ عَمْرِوبْنِ دِیْنَارٍ وَابْنِ اَبِیْ نَجِیْحٍ الخ .

شعبہ فرماتے ہیں کہ رَأَیْتُ ذَالِکَ الْغُلَامَ عِنْدَ عَمْرِوبْنِ دِیْنَارٍ وَبِیَدِہٖ اَلْوَاحٌ وَفِیْ اُذُنِہٖ قُرْطٌ مِّنْ ذَھَبٍ . خود ابن عیینہؒ کے الفاظ میں روایت ہے فرمایا کہ: اَتَیْتُ الزُّھْرِیَّ وَفِیْ اُذُنِیْ قُرْطٌ وَلِیْ ذُؤَابَۃٌ فَلَمَّا رَاٰنِیْ جَعَلَ یَقُوْلُ وَاسنیة واسنینة ھٰھُنَا ھٰھُنَا مَارَأَیْتُ طَالِبَ عِلْمٍ اَصْغَرَ مِنْ ھٰذَا. ص ٦٠. اِس سے اگلے صفحہ پر ہے وَلِی عَشْرُ سِنِیْنَ۔ اِس صفحہ پر امام احمد کا قول ہے کہ بچہ کی روایت اِذَاعَقَلَ وَضَبَطَ جائز ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات دُرست نہ مانی جائے تو سُفْیَانُ بِنْ عُیَیْنَۃَ اور وَکِیْع کے بارے میں کیا کروگے۔

میں نے پہلے جو عریضہ لکھا تھا وہ واقعی بات نا تمام تھی۔ جواَب لکھا ہے پہلے خط میں یہ بھی ہوتا تو بات واضح ہو جاتی۔ میں نے عرض کیا تھا کہ وہ کوفی کہلاتے ہیں لیکن تَعَلُّمًا وَتَعْلِیْمًا وہ غیر کوفی ہیں۔ اِس لیے اُنہوں نے روایتِ تزوج ہشام سے مدینہ شریف میں لی ہے نہ کہ کوفہ میں۔ یہ کہنا زیادہ قوی اور راجح ہوگا اِس لیے اِس روایت کے رُواۃ اہل کوفہ میں سے یہ نام کم کر کے رُواۃ اہل مکہ میں شمار کرنا چاہیے۔ اور سند امام شافعی مکی ہوگی نہ کہ کوفی۔ (اور ''ہوگی'' کا مطلب شک نہیں ہے بلکہ بمعنی قرار پائے گی ہے۔)

صاحب المصنف (ابن ابی شیبہ) نے روایت اَسودؒ ہی کو اصل سمجھا ہے اور وہ کوفی ہیں۔ اُنہوں نے روایت عروۃؒ لی ہی نہیں۔ کتاب النکاح میں اور پھر اپنی کتاب کے آخری حصہ میں کتاب التاریخ میں بھی یہی روایت دوہرائی ہے۔ روایت اسودؒ میں ابو معاویہ کی متابعت ہمارے پاس موجود کتابوں میں ملتی ہے۔ طبقات ابن سعد میں اسرائیل عن الاعمش (ص ٦٢ ج ٨) اور معارف ابن قتیبہ میں مالک بن سعیر عن الاعمش (ص ١٣٤ پر) ابو معاویہ کے متابع موجود ہیں۔ آپ کے پاس اِس روایت کے نہ ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ وہ بھی تحریر فرمائیں۔

آپ نے روایت عروہ کو اَصل باقی روایات کو متابع فرمایا ہے۔ یہ اُصولاً درست نہیں ہے مثلاً جنابِ رسول اللہ ﷺ سے ایک ہی روایت اگر حضرت اَنس حضرت جابر حضرت ابو ہریرہ نقل کریں گے تو اُن میں یہ نہیں کہا جاتا کہ حضرت انس نے حضرت جابر کی اور حضرت ابو ہریرہ نے حضرت انس کی متابعت کی بلکہ ہر صحابی کی روایت مستقل شمار ہوگی۔ اِسی پر روایت کے تواتر، شہرت اور خبر واحد ہونے کا مدار ہے۔ اسی طرح جب حضرت عائشہؓ کوئی بات بیان فرمائیں گی تو ہر ایک راوی کی روایت الگ شمار ہوگی۔ اُن سے خود سننے والے

ایک دُوسرے کے متابع نہیں ہو سکتے۔ مثلاً روایت اَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ روایت عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ روایت اَبِیْ عُبَیْدَةَ عَنْ عَائِشَةَ روایت مُصْعَبُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ عَائِشَةَ روایت عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ روایت عَبْدُ الْمَلِكُ بْنُ عُمَیْرٍ عَنْ عَائِشَةَ روایت عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ. یہ آٹھ روایات شمار ہوں گی وَھٰکَذَا اِن حضرات کی روایات میں سے ایک ایک کی روایت میں جدا جدا متابعت تلاش کرنی چاہیں تو کریں اور یہ کام اصولِ حدیث کی رُو سے بے ضرورت ہوگا۔ اِسی لیے ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اِسے قریب من التواتر فرمایا ہے اور ابنِ حزم جیسے شخص نے بھی اس کے بارے میں کہا ہے کہ اِس کی سند کے ذکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے واقعی احتیاطاً مشہور لکھا تھا۔

غرض جناب نے جو اَصل اور متابع کا جو خاکہ تحریر فرمایا ہے وہ اصولاً بالکل دُرست نہیں ہے وہ اُس روایت پر منطبق ہونا ممکن نہیں ہے۔ یہ روایت خبر واحد بھی نہیں ہے چہ جائیکہ شاذ ہو۔ اِسے خبر واحد یا شاذ کہہ کر یہ قاعدہ جاری کرنا سعی لاحاصل اور اُصولی غلطی ہوگی، نہ کہ تحقیق۔

حضرت مولانا الیف اللہ صاحب کی خدمت میں بھی سلام فرمادیں۔

آج کل مہانداری بہت ہے بلکہ مسلسل ہی رہنے لگی ہے۔ جواب فوراً لکھنا ممکن نہیں ہوتا۔ جب تاخیر ہو تو عذر پر محمول فرمالیا کریں۔

یہ خط چند روز قبل لکھا تھا پھر صاف کرانے میں مزید تاخیر ہوگئی۔

والسلام

حامد میاں غفرلہٗ

۳؍مارچ ۸۱ء

(جاری ہے)

اُمتِ مسلمہ کی مائیںؓ

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

﴿ حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہریؒ ﴾

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضورِ اقدس ﷺ کی سب سے پہلی بیوی ہیں جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی والدہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نانی تھیں۔ اُن کے والد کا نام خویلد، دادا کا نام اَسد اور والدہ کا نام فاطمہ اور نانی کا نام زائدہ تھا، نسباً قریشیہ تھیں، چالیس سال کی عمر میں حضور ﷺ سے شادی کی، اُس وقت جنابِ رسالت مآب ﷺ کی عمر شریف پچیس سال تھی۔ (استیعاب و اصابہ)

سیدِ عالم ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے یکے بعد دیگرے دو شوہروں سے نکاح کر چکی تھیں اور ہر ایک سے اَولاد بھی ہوئی تھی۔ ایک شوہر ابو ہالہ اور دُوسرے عتیق بن عائذ تھے۔ اِس میں سیرت نگاروں کا اِختلاف ہے کہ اِن دونوں میں اوّل کون تھے اور دوم کون؟ صاحبِ استیعاب اِس اختلاف کو نقل کرنے بعد ابو ہالہ کو اوّل اور عتیق کو دوم قرار دینے کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں: وَالْقَوْلُ الْاَوَّلُ اَصَحُّ اِنْشَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی (پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے اِنشاء اللہ تعالیٰ)۔

حرمِ نبوت میں کیونکر آئیں :

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دونوں شوہر یکے بعد دیگرے فوت ہوگئے تو اُن کی شرافت اور مالداری کی وجہ سے مکہ کا ہر شریف اِس کا متمنی ہوا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے عقد کرے لیکن ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اَشرف الخلائق ﷺ کے نکاحِ پُر فلاح میں آنا نصیب ہوا اور اُم المؤمنین کے مکرم لقب سے نوازی گئیں۔

سیّدِ عالم ﷺ کی عمر شریف جن پچیسویں برس کو پہنچی تو آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے کہا کہ میں مالدار آدمی نہیں ہوں جو میں تم کو مال دے کر تجارت کراؤں اور چونکہ یہ دِن سختی سے گزر رہے ہیں اِس لیے کسبِ معاش میں لگنے کی ضرورت ہے۔ لٰہذا تم ایسا کرو جس طرح تمہارے قوم کے دُوسرے لوگ خدیجہؓ کا مال شام لے جا کر بیچتے ہیں اور اِس میں نفع کماتے ہیں اِسی طرح تم بھی اُن کا مال شام لے جا کر فروخت

کر کے نفع حاصل کرو۔

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اِس کی خبر لگی کہ محمد بن عبد اللہ الامین کو اُن کے چچا میرا مال شام لے جا کر فروخت کرنے کو فرما رہے ہیں تو اُنہوں نے آنحضرت ﷺ کی دیانت واَمانت داری اور معاملہ کی راست بازی کی وجہ سے خود ہی آپ ﷺ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ میرا مال شام لے جائیں۔ دُوسروں کو جو نفع دیتی ہوں آپ کو اُس سے دُگنا نفع دُوں گی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے منظور فرمایا اور اَسبابِ تجارت لے کر شام کو روانہ ہوئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ایک غلام بھی آپ ﷺ کے ساتھ کر دیا تھا جس کا نام میسرہ تھا۔ آپ ﷺ نے نہایت دانشمندی سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کی تجارت کی جس کی وجہ سے اُن کو گزشتہ پچھلے سالوں کی بہ نسبت اِس سال بہت زیادہ نفع ہوا۔

راستہ میں میسرہ نے آپ ﷺ کی بہت باتیں دیکھیں جو عام آدمیوں کی نہیں ہوتی ہیں جن کو عربی میں ''خَوَارِقُ الْعَادَۃُ '' کہتے ہیں اور یہ بات بھی پیش آئی کہ جب آپ ﷺ نے شام کے سفر میں ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا تو وہاں ایک راہب بھی موجود تھا۔ اُس نے میسرہ سے دریافت فرمایا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ میسرہ نے کہا یہ مکہ کے باشندہ ہیں اور قریشی نوجوان ہیں۔ راہب نے کہا یہ نبی ہوں گے جس کی وجہ یہ تھی کہ اُس راہب نے آپ ﷺ کے اندر نبی آخر الزمان کی وہ علامتیں دیکھ لی تھیں جو پہلی کتابوں میں لکھی تھیں۔

شام سے واپس ہو کر جب مکہ میں داخل ہو رہے تھے تو دوپہر کا وقت تھا۔ اُس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے بالا خانے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اُن کی نظر آنحضرت ﷺ پر پڑی تو دیکھا کہ دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کیے ہوئے ہیں اِس کے علاوہ اُنہوں نے اپنے غلام میسرہ سے بھی (اِسی قسم کے) عجیب عجیب حالات سنے اَور رَاہب کا یہ کہنا بھی میسرہ نے سُنا دیا کہ یہ نبی آخر الزماں ہوں گے۔ لٰہذا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی نکاح کا پیغام آپ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔

یعلیٰ بن اُمیہ کی بہن نفیسہ نامی پیغام لے کر گئیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے منظور فرمایا اور آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابوطالب نے بھی بخوشی اِس کو پسند کیا۔ نکاح کیلیے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابوطالب اور خاندان کے دیگر اکابر حضرت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر آئے اور نکاح ہوا۔ اُس

وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد زندہ نہ تھے وہ پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ ہاں اِس نکاح میں اُن کے چچا عمرو بن اَسد شریک تھے اور اِن کے علاوہ حضرتِ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاندان کے دیگر اکابر کو بھی بلایا تھا۔ عمرو بن اَسد کے مشورہ سے ۵۰۰ درہم مہر مقرر ہوا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ''اُمّ المؤمنین'' کے مشرف خطاب سے ممتاز ہوئیں۔ (الاصابہ و اُسدالغابہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں مکہ والوں کی عورتیں ایک خوشی کے موقع پر جمع ہوئیں۔ اُن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ اچانک وہیں ایک شخص ظاہر ہوگیا جس نے بلند آواز سے کہا کہ اے مکہ کی عورتوں! تمہارے شہر میں ایک نبی ہوگا جسے ''احمد'' کہیں گے تم میں سے جو عورت اُن سے نکاح کر سکے ضرور کرلے۔ یہ باتیں سن کر دُوسری عورتوں نے بھول بھلیّوں میں ڈال دی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے گرہ باندھ لی اور اِس پر عمل کر کے کامیاب ہوکر رہیں۔ (الاصابہ)

حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے اِسلام لائیں اور اِسلام کے فروغ میں پوری طرح حصّہ لیا :

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ مَنْقَبَتْ حاصل ہے کہ وہ سب سے پہلے مسلمان ہوئیں یعنی حضور اَقدس ﷺ کی دعوتِ اسلام تمام اِنسانوں سے پہلے اِنہوں نے قبول کی۔ اِن سے پہلے نہ کوئی مرد اِسلام لایا نہ عورت نہ بوڑھا نہ بچہ۔

صاحبِ مشکٰوۃ الاکمال فی اسماء الرجال میں لکھتے ہیں :

وَھِیَ اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ مِنْ کَافَّۃِ النَّاسِ ذَکَرِھِمْ وَاُنْثَاھُمْ .

''تمام اِنسانوں سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اِسلام لائیں۔ تمام مردوں سے بھی اور تمام عورتوں سے بھی پہلے۔''

وَمِثْلُہٗ فِی الْاِسْتِیْعَابِ حَیْثُ قَالَ نَاقِلًا عَنْ عُرْوَۃَ اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ خَدِیْجَۃُ بِنْتُ خُوَیْلِدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا .

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ البدایہ میں محمد بن کعب سے نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :

اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ مِنْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ خَدِیْجَۃُ وَاَوَّلُ رَجُلَیْنِ اَسْلَمَا اَبُوْبَکْرٍ وَعَلِیٌّ

''اُمت میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا۔ اور مردوں

میں سب سے پہلے اِسلام قبول کرنے والے حضرت ابوبکر و حضرت علی رضی اللہ عنہما ہیں۔''

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا :

وَقَدْ اٰمَنَتْ بِیْ اِذْ کَفَرَ بِیَ النَّاسُ وَصَدَّقَتْنِیْ اِذْ کَذَّبُوْنِیْ وَاٰنَسَتْنِیْ بِمَالِھَا اِذْ حَرُمَنِیَ النَّاسُ وَرَزَقَنِیَ اللّٰہُ وُلْدَھَا اِذْ حَرُمَنِیْ اَوْلَادُ النِّسَآءِ . (البدایہ)

''وہ مجھ پر ایمان لائیں جب لوگ میری رسالت کے منکر تھے اَور اُنہوں نے میری تصدیق کی جبکہ لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور اُنہوں نے اپنے مال سے میری ہمدردی کی جبکہ لوگوں نے مجھے اپنے مالوں سے محروم کیا اور اُن سے مجھے اللہ نے اَولاد نصیب فرمائی جبکہ دُوسری عورتیں مجھ سے نکاح کر کے اپنی اَولاد کا باپ بنانا گوارہ نہیں کرتی تھیں۔''

اِسلام کے فروغ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ نبوت سے پہلے حضور اَقدس ﷺ تنہائی میں عبادت کرنے کے لیے غارِ حرا میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے لیے کھانے پینے کا سامان تیار کر کے دے دیا کرتی تھیں۔ آپ ﷺ غارِ حرا میں کئی کئی رات رہتے تھے۔ جب خورد و نوش کا سامان ختم ہو جاتا تو آپ ﷺ تشریف لاتے اور سامان لے کر واپس چلے جاتے تھے۔

ایک دِن حسبِ معمول آپ ﷺ حراء میں مشغولِ عبادت تھے کہ فرشتہ آیا اور اُس نے کہا اِقْرَأْ یعنی پڑھیے۔ آپ ﷺ نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتہ نے آپ ﷺ کو پکڑ کر اپنے سے چمٹا کر خوب زور سے بھینچ کر چھوڑ دیا اور پھر کہا اِقْرَأْ (پڑھیے) آپ ﷺ نے وہی جواب دیا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتہ نے دوبارہ آپ ﷺ کو اپنے سے چمٹا کر خوب زور سے دبا کر چھوڑ دیا اور پھر پڑھنے کو کہا۔ آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتہ نے پھر تیسری مرتبہ آپ ﷺ کو پکڑ کر اپنے سے چمٹایا اور خوب زور سے دبا کر آپ ﷺ کو چھوڑ دیا اور خود پڑھنے لگا۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ○

یہ آیات سن کر آپ ﷺ نے یاد فرمالیں اور ڈرتے ہوئے گھر تشریف لائے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ (مجھے کپڑا اُڑھادو مجھے کپڑا اُڑھادو) اُنہوں نے آپ ﷺ کو کپڑا اُڑھادیا اور کچھ دیر بعد وہ خوف کی طبعی کیفیت جاتی رہی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اپنا سارا واقعہ سنا کر فرمایا لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ (مجھے اپنی جان کا خوف ہے)۔

عورتیں کچی طبیعت کی ہوتی ہیں مرد کو گھبرایا ہوا دیکھ کر اُس سے زیادہ گھبرا جاتی ہیں لیکن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ذرا نہ گھبرائیں اور تسلی دیتے ہوئے خوب جم کر فرمایا :

کَلَّا وَاللّٰہِ لَایُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْکَلَّ وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِی الضَّیْفَ وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ .

''خدا کی قسم ہرگز نہیں ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تمہاری جان کو مصیبت میں ڈال کر تم کو رُسوا کرے (آپ کی صفات بڑی اچھی ہیں ایسی صفات والا رُسوا نہیں کیا جاتا) آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور مہمان نوازی آپ کی خاص صفت ہے۔ آپ بے بس و بے کس آدمی کا خرچ برداشت کرتے ہیں اور عاجز و محتاج کی مدد کرتے ہیں اور مصائب کے وقت حق کی مدد کرتے ہیں۔''

اِس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور اُن سے کہا کہ اے بھائی ! سنو یہ کیا کہتے ہیں؟ ورقہ بن نوفل بوڑھے آدمی تھے بینائی جاتی رہی تھی عیسائیت اختیار کیے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے حضورِ اَقدس ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ نے کیا دیکھا ہے؟ آپ ﷺ نے اُن کو پوری کیفیت سے آگاہ فرمایا تو اُنہوں نے کہا :

هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِیْ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی مُوْسٰی یَا لَیْتَنِیْ فِیْهَا جَذَعًا یَالَیْتَنِیْ اَکُوْنُ حَیًّا اِذْ یُخْرِجُكَ قَوْمُكَ . (بخاری شریف ص ۳)

''یہ تو وہی رازدار فرشتہ جبرائیل ہے جسے اللہ نے موسٰی (علیہ السلام) پر نازل کیا تھا۔ کاش اُس وقت نوجوان ہوتا (جب آپ ﷺ کی دعوتِ دین کا ظہور ہوگا) کاش میں اُس وقت تک زندہ رہتا جب آپ ﷺ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔''

حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ میں بحوالہ بیہقی یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور اَقدس ﷺ سے نبوت کے بالکل ابتدائی دور میں یہ بھی عرض کیا کہ آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ جب فرشتہ آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ مجھے اطلاع فرما دیں۔آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ایسا ہوسکتا ہے۔عرض کیا کہ اَب آئے تو بتلائیے گا۔چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے خدیجہؓ یہ ہیں جبرائیل علیہ السلام۔اُنہوں نے عرض کیا اِس وقت آپ کو نظر آرہے ہیں؟ فرمایا ہاں ! عرض کیا آپ اُٹھ کر میری داہنی طرف بیٹھ جائیں۔چنانچہ آپ ﷺ نے منظور فرمایا اور اپنی جگہ سے ہٹ کر اُن کی داہنی طرف بیٹھ گئے۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا اِس وقت بھی آپ کو جبرائیل نظر آرہے ہیں؟ فرمایا ہاں نظر آرہے ہیں۔عرض کیا آپ ﷺ میری گود میں بیٹھ جائیں۔آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا جب آپ ﷺ اُن کی گود میں بیٹھ گئے تو دریافت کیا۔کیا اَب بھی آپ ﷺ کو جبرائیل علیہ السلام نظر آرہے ہیں؟ فرمایا ہاں نظر آرہے ہیں۔اِس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا دوپٹہ ہٹا کر سر کھولا اور دریافت کیا۔کیا آپ اَب بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام نظر آرہے ہیں؟ فرمایا اَب تو نظر نہیں آتے یہ سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یقین جانیے یہ فرشتہ ہی ہے۔آپ ثابت قدم رہیں اور نبوت کی خوشخبری قبول فرمائیں (اگر یہ شیطان ہوتا تو میرا سر دیکھ کر غائب نہ ہوجاتا چونکہ فرشتہ ہی ہے اِس لیے شرما گیا)۔

اِس واقعہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دانشمندی کا پتہ چلتا ہے۔نبوت مل جانے کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے اِسلام کی دعوت دینی شرع کی تو مشرکین مکہ آپ ﷺ کے دُشمن ہو گئے اور طرح طرح سے آپ ﷺ کو ستانا شروع کر دیا،ساری قوم آپ کی دشمن اور عزیز و اَقربا بھی مخالف۔ایسے مصیبت کے زمانے میں آپ ﷺ کے غم خوار صرف آپ کے چچا ابو طالب اور اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔حافظ ابن کثیرؒ البدایہ میں لکھتے ہیں :

وَكَانَتْ اَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَصَدَّقَتْ بِمَا جَآءَ مِنْهُ فَخَفَّفَ اللّٰهُ بِذَالِكَ عَنْ رَّسُوْلِهٖ لَا يَسْمَعُ شَيْئًا يَكْرَهُهٗ مِنْ رَدٍّ عَلَيْهِ وَتَكْذِيْبٍ لَّهٗ فَيَحْزِنُهٗ ذٰلِكَ اِلَّا فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ اِذَا رَجَعَ اِلَيْهَا تُثَبِّتُهٗ وَتُخَفِّفُ عَنْهُ وَتُصَدِّقُهٗ وَ تُهَوِّنُ عَلَيْهِ اَمْرَالنَّاسِ .

''حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اللہ اور رسول پر سب سے پہلے ایمان لانے والی اور رسول اللہ ﷺ کے دین کی تصدیق کرنے والی تھیں۔ اُن کے اسلام قبول کرنے سے اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی مصیبت ہلکی کردی (جس کی تفصیل یہ ہے) کہ جب دعوتِ اسلام دینے پر آپ ﷺ کو اُلٹا جواب دیا جاتا اور آپ ﷺ کو جھٹلایا جاتا تو اِس سے آپ ﷺ کو رنج پہنچتا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اِس رنج کو دُور فرما دیتے تھے۔ جب آپ ﷺ گھر میں تشریف لاتے تو وہ آپ کی ہمت مضبوط کر دیتی تھیں اور رنج ہلکا کر دیتی تھیں۔ آپ ﷺ کی تصدیق بھی کرتیں اور لوگوں کی مخالفت کو آپ ﷺ کے سامنے بے جان بنا کر بیان کرتی تھیں۔''

سیرت ابن ہشام میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے متعلق لکھا ہے :

وَکَانَتْ لَہٗ وَزِیْرُ صِدْقٍ عَلَی الْاِسْلَامِ

''حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اِسلام کے لیے آنحضرت ﷺ کے لیے مخلص وزیر کی حیثیت رکھتی تھیں۔''

ہر وہ مصیبت جو حضورِ اقدس ﷺ کو دعوتِ اسلام میں پیش آتی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پوری طرح اُس میں آپ ﷺ کی شریکِ غم ہوتیں اور آپ ﷺ کے ساتھ خود بھی تکلیفیں سہتی تھیں۔ آپ ﷺ کی ہمت بندھانے اور بلند ہمتی کے ساتھ ہر آڑے وقت میں آپ ﷺ کا ساتھ دینے میں اِن کو خاص فضیلت حاصل ہے۔

شعبِ ابی طالب میں رہنا :

ایک مرتبہ مشرکینِ مکہ نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ سارے بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کا بائیکاٹ کیا جائے۔ نہ اُن کو کوئی شخص اپنے پاس بیٹھنے دے، نہ اُن سے بات کرے، نہ خرید و فروخت کرے، نہ اُن کو اپنے گھر آنے دے اور اُس وقت تک صلح نہ کی جائے جب تک یہ لوگ حضور ﷺ کو قتل کرنے کے لیے ہمارے حوالہ نہ کر دیں۔ یہ معاہدہ زبانی باتوں ہی پر ختم نہیں ہوا بلکہ تحریری معاہدہ لکھ کر کعبہ محترمہ پر لٹکا دیا گیا تاکہ ہر شخص اِس کا احترام کرے۔

اِس معاہدہ کی وجہ سے آنحضرت ﷺ اور سارے بنو ہاشم [۱] اور بنو عبدالمطلب تین سال تک دو پہاڑوں کے درمیان ایک گھاٹی میں رہے۔ اِس تین برس میں اُن کو فاقوں پر فاقے گزرے۔ مرد و عورت سب ہی بھوک سے بیتاب ہو کر روتے اور چیختے چلاتے تھے جس کی وجہ سے اُن کے والدین کو اور بھی زیادہ دُکھ ہوتا تھا۔ حضورِ اقدس ﷺ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کی اَولاد سب ہی اِس گھاٹی میں رہے اور دعوتِ دین کے لیے فاقے جھیلے اور مصیبت کے دِن کاٹے۔ آخر تین سال کے بعد معاہدہ والی تحریر کو دِیمک کھا گئی تب اُن حضرات کو اُس گھاٹی سے نکلنا نصیب ہوا۔ (البدایہ)

اِسلام کے فروغ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال بھی لگا :

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کی خدمت گزاری اور دِلداری میں بھی کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا اور اپنے مال کو بھی اِسلام اور دَاعی اِسلام کی ضروریات کے لیے اِس طرح پیش کر دیا تھا جیسے اُس مال میں خود کو مالکیت کا حق ہی نہیں رہا۔ قرآن مجید میں اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت ﷺ کو خطاب فرمایا ہے : **وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى** اور تم کو اللہ نے بے مال والا پایا پس غنی کر دیا۔ اِس کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں: **ای بمال خدیجة** یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کے ذریعہ غنی کر دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس جو مال تھا وہ آپ ﷺ ہی کا سمجھتی تھیں اُن کے مال خرچ کرنے کے احسان کا آپ ﷺ کے دِل پر بہت اثر تھا۔ ایک مرتبہ اُن کے اِس اِحسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا **وَاَعْطَتْنِیْ مَالَھَا فَاَنْفَقْتُهٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ** یعنی اُنہوں نے اپنا مال مجھے دیا جسے میں نے اللہ کے راہ میں خرچ کیا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ملّہ میں فروخت کیے جا رہے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اِن کو اپنے مال سے خرید کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے اِن کو آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے ہیں۔ اُن کو غلامی سے چھڑا کر اِسلام کے کاموں میں لگا دینے کا ذریعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی بنیں۔

---

[۱] بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب میں جو لوگ کافر تھے وہ بھی حمیتِ قومی کی وجہ سے اس مصیبت میں شریک ہوئے اور آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کے لیے حوالے کر دینے پر امادہ نہ ہوئے۔

نماز پڑھنا :

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں پنج وقتہ نمازیں فرض نہ ہوئی تھیں اِن کی وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کو معراج ہوئی تب یہ نمازیں فرض ہوئیں، البتہ مطلق نماز پڑھنا ضروری تھا جسے وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ پڑھا کرتی تھیں۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ جب مطلق نماز فرض ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس تشریف لائے اور ایک جگہ اپنی اَیڑی ماری جس سے چشمہ اُبل نکلا۔ پھر دونوں نے اِس میں وضو کیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دو رَکعتیں پڑھیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے وضو اور نماز سیکھ کر آپ ﷺ دولت کدہ پر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ پکڑ کر اُس چشمہ پر لے گئے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرح اُن کے سامنے وضو کیا اور دو رَکعت پڑھیں۔ اِس کے بعد آپ ﷺ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پوشیدہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ (البدایہ)

عفیف کندی کا بیان ہے کہ میں حج کے موقع پر عباس بن عبدالمطلب کے پاس آیا۔ وہ تاجر آدمی تھے مجھے اُن سے خرید و فروخت کا معاملہ کرنا تھا اچانک نظر پڑی کہ ایک شخص ایک خیمہ سے نکل کر کعبہ کے سامنے نماز پڑھنے لگا۔ پھر ایک عورت نکلی اور اُن کے پاس آئی وہ بھی (اُن کے پاس) نماز پڑھنے لگی اور ایک لڑکا بھی نکل کر آیا وہ بھی (اُن کے پاس) نماز پڑھنے لگا۔ یہ ماجرہ دیکھ کر میں نے کہا اے عباسؓ! یہ کونسا دین ہے؟ ہم تو آج تک اِس سے واقف نہیں ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا (جو اُس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) یہ نوجوان محمد بن عبداللہ ہے جو دعوی کرتا ہے کہ خدا نے اِسے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور یہ کہتا ہے کہ قیصر وکسریٰ کے خزانے اِس کے ہاتھوں فتح ہوں گے اور یہ عورت اُس کی بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا بنتِ خویلد ہے جو اِس پر ایمان لا چکی ہے اور یہ لڑکا اِس نوجوان کا چچیرا بھائی ہے علیؓ بن ابی طالب ہے جو اِس پر ایمان لا چکا ہے۔ عفیف کہتے ہیں کاش میں اُسی روز مسلمان ہو جاتا تو (بالغ مسلمانوں میں) دُوسرا مسلمان شمار ہوتا۔ (البدایہ)

حضورِ اقدس ﷺ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اَولاد :

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اَولاد صرف اِن ہی سے پیدا ہوئی اور کسی بیوی سے اَولاد ہوئی ہی نہیں۔ صرف ایک صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی باندی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔ مؤرخین اور محدثین کا اِس پر اتفاق

ہے کہ آنحضرت ﷺ کی چار لڑکیاں ہوئیں اور اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ اُن میں سب سے بڑی حضرت زینب پھر حضرت رُقیہ حضرت اُم کلثوم پھر حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھیں۔

آپ ﷺ کے لڑکے کتنے تھے؟ اِس میں اِختلاف ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب بچپن ہی میں وفات پاگئے اور عرب میں اُس زمانہ میں تاریخ کا خاص اہتمام نہ تھا۔ اِس لیے یہ اَمر پوری طرح ایسا محفوظ نہ رہ سکا جس میں اِختلاف نہ ہوتا۔ اکثر علماء کی تحقیق ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تین صاحبزادے پیدا ہوئے۔ دو صاحبزادے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اور ایک صاحبزادے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے۔ اِس اعتبار سے آنحضرت ﷺ کی چھ اَولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئیں، دو لڑکے اور چار لڑکیاں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جو دو لڑکے پیدا ہوئے اُن میں سب سے پہلے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ تھے۔ اِن ہی کے نام سے آنحضرت ﷺ کی کنیت ''ابوالقاسم'' مشہور ہوئی۔ یہ نبوت سے پہلے مکہ ہی میں پیدا ہوئے اَور وہیں انتقال ہوا۔ اُس وقت پاؤں چلنے لگے تھے، ڈیڑھ دو سال زندہ رہے۔ حضورِ اقدس ﷺ کے دُوسرے صاحبزادے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے اُن کا نام عبداللہ تھا۔ اُنہوں نے بھی بہت کم عمر پائی اور بچپن ہی میں وفات پاگئے، اِن کی پیدائش نبوت کے بعد ہوئی تھی اِس لیے اُن کا لقب ''طیب'' بھی پڑا اور ''طاہر'' بھی (دونوں کے معنی پاکیزہ کے ہیں)۔

فضائل :

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پاکیزگیٔ اخلاق کی وجہ سے اِسلام سے پہلے ہی ''طاہرہ'' کے لقب سے مشہور تھیں پھر حضورِ اقدس ﷺ کی نکاح میں آکر اُنہوں نے جو اپنی دانشمندی و عقلمندی اور خدمت گزاری سے جو فضائل حاصل کیے ہیں اُن کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ کی بیویوں میں سے کسی بیوی پر بھی مجھے اِتنا رَشک نہیں جتنا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آتا تھا حالانکہ میں نے اُن کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ اِس رَشک کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ اُن کو اکثر یاد فرمایا کرتے تھے۔ اور اکثر یہ بھی ہوتا کہ آپ بکری ذبح فرماتے تو اُس میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو تلاش کر کے گوشت بھجواتے تھے، ایسے موقع پر بعض مرتبہ میں نے کہا کہ آپ کو اُن کا ایسا خیال ہے جیسے دُنیا و آخرت میں اُن کے علاوہ آپ کی اور کوئی بیوی ہی

نہیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے اِرشاد فرمایا۔ وہ ایسی اچھی تھیں ایسی اچھی تھیں اور اُن سے میری اَولاد ہوئی۔ سبحان اللہ وفاداری اور یادگاری کی یہ مثال کہاں ملے گی کہ صاحبِ محبت کے وفات پا جانے پر اُس کے دوستوں سے وہ برتاؤ رکھا جائے جسے وہ خود زِندگی میں اپنے دوستوں سے رکھتا اور اُس پر خوش ہوتا۔

ایک مرتبہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت میں کھانا[1] اور سالن لے کر جارہی تھیں۔ ابھی پہنچنے بھی نہ پائی تھیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور عرض کیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آرہی ہیں وہ آپ کے پاس پہنچ جائیں تو اُن کو اللہ کا اور میرا سلام پہنچا دیجئے اور اُن کو جنت کا ایسا مکان مل جانے کی خوشخبری سنا دیجئے جو موتیوں کا ہوگا جس میں نہ ذرا شور و شغب ہوگا نہ ذرا تکلیف ہوگی۔[2] جنت میں خلافِ طبع اور مکروہ آواز تو کسی کے کان میں بھی نہ آئے گی مگر خصوصیت کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جو ایسے مکان کی بشارت دی گئی یہ غالبًا اِس لیے کہ دشمنانِ اِسلام اور داعئ اِسلام ﷺ کے خلاف جو طرح طرح کی باتیں کرتے تھے وہ اُن کے کانوں میں پڑتی تھیں اُن کی وجہ سے جو سخت کوفت ہوتی تھی اُس کی وجہ سے تسلی دینے کے لیے یہ خصوصی بشارت دی گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہؓ بنت خویلد اور فاطمہؓ بنت محمد (ﷺ) اور مریمؑ بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی ہیں (الاصابہ)۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لاکر گھر سے باہر نہیں جایا کرتے تھے جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ نہ فرمالیتے تھے۔ ایک مرتبہ

---

[1] لمعات میں لکھا ہے کہ یہ کھانا حضرت خدیجہؓ غارِ حرا میں لے جارہی تھیں اور یہ نبوت مل جانے کے بعد کی بات ہے کیونکہ نبوت مل جانے کے بعد بھی آپ ﷺ کا غارِ حرا میں آنا جانا رہا ہے۔ [2] بخاری و مسلم، الاستیعاب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اُس کے رب کا سلام پہنچا دیجئے چنانچہ آپ نے پہنچا دیا۔ اُس کے جواب میں حضرت خدیجہؓ نے کہا اَللّٰہُ السَّلَامُ وَمِنْہُ السَّلَامُ وَعَلٰی جِبْرِیْلَ السَّلَامُ یعنی اللہ کے سلام کا جواب کیا دُوں وہ تو خود سلام ہے اور اُسی سے سلامتی ملتی ہے۔ سلام لانے والے جبرائیل علیہ السلام پر سلام ہو)

جو آپ ﷺ نے اُن کا ذکر فرمایا تو مجھے عورتوں والی غیرت سوار ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ ایک بڑھیا کو آپ یاد کرتے ہیں تو آپ بہت ناراض ہوئے۔ اِس کے بعد میں نے یہ طے کر لیا کہ کبھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو برائی سے یاد نہ کروں گی (الاصابہ)۔ جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں آنحضرت ﷺ نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ اُن کی وفات کے بعد حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے نکاح ہوا۔

وفات :

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ۱۰ر نبوی میں بماہِ رمضان المبارک مکہ میں وفات پائی۔ اُس وقت اُن کی عمر ۶۵ سال تھی۔ حضور ﷺ کی صحبت میں کم وبیش ۲۵ سال رہیں۔ ۱۵ سال آپ کی نبوت سے پہلے اور دس برس نبوت مل جانے کے بعد، جس وقت اُن کی وفات ہوئی نمازِ جنازہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، کفن دے کر حَجُوْن میں دفن کر دی گئیں جسے اَب " جَنَّتُ الْمُعَلّٰی " کہتے ہیں۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا وَاَرْضَاھَا

✡ ✡ ✡

قسط : ۲

تربیتِ اَولاد

﴿ اَز افادات : حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ﴾

زیرِنظر رسالہ ''تربیتِ اولاد'' حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے افادات کا مرتب مجموعہ ہے جس میں عقل ونقل اور تجربہ کی روشنی میں اَولاد کے ہونے ، نہ ہونے ، ہوکر مرجانے اور حالتِ حمل اور پیدائش سے لے کر زمانۂ بلوغ تک رُوحانی وجسمانی تعلیم وتربیت کے اِسلامی طریقے اور شرعی احکام بتلائے گئے ہیں۔ پیدائش کے بعد پیش آنے والے معاملات ، عقیقہ ، ختنہ وغیرہ اُمور تفصیل کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں، مرد عورت کے لیے ماں باپ بننے سے پہلے اور اُس کے بعد اِس کا مطالعہ اولاد کی صحیح رہنمائی کے لیے انشاء اللہ مفید ہوگا۔

اس کے مطابق عمل کرنے سے اَولاد نہ صرف دُنیا میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگی بلکہ ذخیرۂ آخرت بھی ثابت ہوگی اِنشاء اللہ۔ اللہ پاک زائد سے زائد مسلمانوں کو اِس سے استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے۔

اَولاد کی اہمیت اور اُس کے فضائل :

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت کرنے والی ہو اور بچے جنے والی ہو کیونکہ تمہاری زیادتی سے دُوسرے اُمتوں پر فخر کروں گا کہ میری اُمت اِتنی زیادہ ہے۔ (ابوداؤد و نسائی)

فائدہ : اَولاد کا ہونا بھی کتنا بڑا فائدہ ہے زندگی میں بھی کہ وہ سب سے بڑھ کر اپنے خدمت گزار اور مددگار اور فرمانبردار اور خیرخواہ ہوتے ہیں اور مرنے کے بعد اِس کے لیے دُعا (اور ایصالِ ثواب بھی کرتے ہیں) اور اگر آگے نسل چلی تو اُس کے دینی راستہ پر چلنے والے مدتوں تک رہتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی برابر اِس کو ثواب ملتا رہتا ہے اور قیامت میں بھی (بڑا فائدہ ہے)۔ اِسی طرح جو بچے بچپن میں مرگئے وہ اِس کو بخشوائیں گے۔ جو بالغ ہوکر نیک ہوئے وہ بھی (اپنے والدین کے لیے) سفارش کریں گے اور سب سے بڑی

بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھتی ہے جس سے دُنیا میں بھی قوت بڑھتی ہے اور قیامت میں ہمارے پیغمبر ﷺ خوش ہو کر فخر فرمائیں گے۔(حیاۃ المسلمین)

حضور ﷺ کی اَولاد سے محبت :

حق تعالیٰ نے اَولاد کی محبت والدین کے دِل میں پیدا کی ہے اَور یہ ایسی محبت ہے کہ جو مقدس ذاتیں محض حق تعالیٰ ہی کی محبت کے لیے مخصوص ہیں وہ بھی اِس محبت سے خالی نہیں۔ چنانچہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کو حضراتِ حسنین سے ایسی محبت تھی کہ ایک بار آپ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اِتنے میں حضرات حسنین بچے تھے لڑکھڑاتے ہوئے مسجد میں آگئے۔حضور ﷺ سے اُن کا لڑکھڑانا دیکھ کر نہ رہا گیا۔آپ ﷺ نے درمیانِ خطبہ ہی ممبر سے اُتر کر اُن کو گود میں اُٹھالیا اور پھر خطبہ جاری فرمایا۔اگر آج کوئی شیخ ایسا کرے تو جہلا اُس کی حرکت کو خلافِ وقار کہتے ہیں۔مگر وہ زبان سنبھالیں کیسا وقار لیے پھرتے ہیں آج کل لوگوں نے تکبر کا نام وقار اور خودداری رکھ لیا ہے۔اور وفات کے واقعات میں یہ ہوا کہ حضور ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وصال کے وقت رنج وغم کا اظہار فرمایا، آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور زبان سے یہ بھی فرمایا کہ اے ابراہیم ہم کو تمہاری جدائی کا واقعی صدمہ ہے۔ الغرض اَولاد کی محبت سے ذواتِ قدسیہ بھی خالی نہیں۔یہ تو حق تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ہمارے اَندر اَولاد کی محبت پیدا کر دی اور اگر یہ داعی نہ ہوتا تو ہم اُن کے حقوق اَدا نہ کر سکتے۔(الفیض الحسن ملحقہ حقوق الزوجین)

اَولاد کی محبت کیوں پیدا کی گئی ؟

بچے جو گوہ کا ڈھیر اور موت کی پوٹ ہیں۔اُن کی پرورش بغیر قلبی داعیہ (اور جزبہ) کے ہو ہی نہیں سکتی۔ بچے تو ہر وقت اپنی خدمت کراتے ہیں، خود خدمت کے لائق نہیں اُن کی حرکتیں بھی مجنونانہ (پاگل پن کی سی ہوتیں) ہیں مگر حق تعالیٰ نے ایسی محبت پیدا کر دی ہے کہ اُن کی مجنونانہ حرکت بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں حتی کہ بعض دفعہ وہ کبھی خلاف تہذیب کام کرتے ہیں جس پر سزا دینا عقلاً ضروری ہوتا ہے مگر بچوں کے متعلق عقلمندوں میں اِختلاف ہو جاتا ہے، ایک کہتا ہے سزا دی جائے دُوسرا کہتا ہے نہیں بچے ہیں اِن سے ایسی غلطی ہو ہی جاتی ہے معاف کر دینا چاہیے۔غرض اپنے بچوں کو تو کیوں نہ چاہیں، دُوسرے کے بچوں کو دیکھ کر پیار آتا ہے اور اُن کی حرکتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔اگر یہ محبت کا تقاضا اور داعیہ نہ ہو تو راتوں کو جاگنا اور گوہ موت کرانا دشوار

ہوجاتا۔ کسی غیر کی بچے کی خدمت کر کے دیکھو تو حقیقت معلوم ہوجائے گی۔ گو خدا کا خوف کر کے تم روزانہ اُس کی خدمت کر دو مگر دِل میں ناگواری ضرور ہوگی۔ غصّہ بھی آئے گا سوتیلی اَولاد کی خدمت اِس لیے گراں ہوتی ہے کہ اِس کے دِل میں اُن کی محبت نہیں ہوتی۔ چونکہ اَولاد کی محبت بغیر محبت کے دُشوار تھی اِس لیے حق تعالیٰ نے اولاد کی محبت والدین کے دِل میں ایسی پیدا کردی کہ اَب وہ اُس کی خدمت کرنے پر مجبور ہیں۔

اَولاد کی تمنا :

(لوگوں کو) اَولاد کی تمنا اِس لیے ہوتی ہے کہ نام باقی رہے گا (خاندان اور سلسلہ چلے گا)۔ تو نام کی حقیقت سن لیجئے کہ ایک مجمع میں جا کر ذرا لوگوں سے پوچھئے تو بہت سے لوگوں کو پردادا کا نام معلوم نہ ہوگا۔ جب خود اَولاد ہی کو اپنے پردادا کا نام معلوم نہیں تو دُوسروں کو خاک معلوم ہوگا؟ تو بتلایئے اَولاد والوں کا بھی نام کہاں رہا۔

صاحبو! نام تو خدا کی فرمانبرداری سے چلتا ہے۔ خدا کی فرمانبرداری کرو اُس سے نام چلے گا، اولاد سے نام نہیں چلا کرتا بلکہ اَولاد نالائق ہوئی تو اُلٹی بدنامی ہوتی ہے۔ اور نام چلا بھی تو نام چلنا ہی کیا چیز ہے جس کی تمنا کی جائے۔ یوں کسی کو طبعی طور پر اَولاد کی تمنا بھی ہو تو میں اُس کو برا نہیں کہتا کیونکہ اَولاد کی محبت اِنسان میں طبعی (فطری) ہے چنانچہ بعض لوگ جنت میں بھی اَولاد کی تمنا کریں گے حالانکہ وہاں نام کا چلنا بھی مقصود نہ ہوگا۔ کیونکہ جنت کے رہنے والے کبھی ختم نہ ہوں گے بلکہ وہاں اِس تمنا کا منشاء (سبب) محض طبعی تقاضا ہوگا، تو میں اِس سے منع نہیں کرتا۔

مقصود صرف یہ ہے کہ اِس طبعی تقاضے کی وجہ سے عورت کی خطاء نکال لینا کہ تیرے اَولاد نہیں ہوتی یا لڑکیاں ہی ہوتی ہیں، بڑی غلطی ہے۔ اور اِس قسم کی غیر اِختیاری جرائم نکال کر اُن سے خفا ہونا اور اُن پر زیادتی کرنا ممنوع (اور ناجائز) حرام ہے اِس میں اُن بیچاریوں کی کیا خطاء ہے جو ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ (حقوق البیت ص ۳۹)

یہ تو نہایت سخت غلطی ہے مثلاً بعض لوگ بیوی سے کہتے ہیں کہ کمبخت تیرے کبھی اولاد ہی نہیں ہوتی تو اِس میں وہ بیچاری کیا کرے۔ اَولاد کا ہونا کسی کے اِختیار میں تھوڑی ہے بعض دفعہ بادشاہوں کے اَولاد نہیں ہوتی حالانکہ وہ ہر قسم کی مقوی غذائیں اور (حمل والی) دوائیں بھی اِستعمال کرتے ہیں مگر پھر بھی خاک اَثر نہیں

ہوتا۔ یہ تو محض اللہ تعالیٰ کے قبضہ واِختیار کی بات ہے اِس میں عورتوں کا کیا قصور ہے۔

بعض مردوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ وہ بیوی سے اِس بات پر خفا ہوتے ہیں کہ کم بخت تیرے تو لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ سو اوّل تو اِس میں اُس کی کیا خطاء ہے۔ اطباء (ڈاکٹروں) سے پوچھو تو وہ شاید اِس میں آپ ہی کا قصور بتلائیں۔ دُوسرے یہ ناگواری کی بات بھی نہیں۔

اگر اَولاد ذخیرۂ آخرت ہو تو بہت بڑی نعمت ہے :

اگر اَولاد دین میں مدد دے تو سبحان اللہ (اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے) ایک بزرگ تھے وہ نکاح نہ کرتے تھے ایک مرتبہ سو رہے تھے کہ اچانک چونک پڑے اور کہنے لگے جلدی کوئی لڑکی لاؤ (نکاح کرنا ہے) ایک مخلص مرید حاضر تھے اُن کی ایک لڑکی کنواری تھی لا کر فوراً حاضر کی اُسی وقت نکاح ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بچہ دیا اور وہ مر گیا۔ بیوی سے کہا کہ جو میرا مطلب تھا وہ پورا ہو گیا اَب تجھ کو اِختیار ہے اگر تجھ کو دُنیا کی خواہش ہے تو میں تجھ کو آزاد کر دُوں کسی سے نکاح کر لے اور اگر اللہ کی یاد میں اپنی عمر ختم کرنا ہو تو یہاں رہو چونکہ وہ بیوی اُن کے پاس رہ چکی تھی اور صحبت کا اَثر اُس کے اندر آ گیا تھا۔ اُس نے کہا کہ میں تو اَب کہیں نہیں جاؤں گی۔ چنانچہ دونوں میاں بیوی اللہ کے یاد میں رہے۔

اُن کے بعض خاص لوگوں نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات ہے (اِتنی جلدی شادی کرنے کی کیا وجہ تھی حالانکہ پہلے آپ اِنکار فرماتے تھے) فرمایا بات یہ تھی کہ میں سو رہا تھا میں نے دیکھا کہ میدانِ محشر قائم ہے اور پل صراط پر لوگ گزر رہے ہیں۔ ایک شخص کو دیکھا کہ اُس سے چلا نہیں جاتا لڑکھڑاتا ہوا چل رہا ہے اُسی وقت ایک بچہ آیا اور ہاتھ پکڑا آناً فاناً (یعنی فوراً) اُس کو لے گیا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ اِرشاد ہوا کہ اِس کا بچہ ہے جو بچپن میں مر گیا تھا یہاں اِس کا رہبر ہو گیا اِس کے بعد میری آنکھ کھل گئی مجھے خیال آیا کہ میں اِس فضیلت سے محروم نہ رہوں شاید بچہ ہی میری نجات کا ذریعہ ہو جائے اِس لیے میں نے نکاح کیا تھا اور میرا مقصود حاصل ہو گیا۔ (الدنیا ملحقہ دُنیا و آخرت ص ۹۸)۔ (جاری ہے)

ماہِ ربیع الاوّل اور مسلمانوں کا طرزِ عمل

﴿ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ﴾

اَب سے تقریبًا چودہ سو برس پہلے جبکہ کائناتِ انسانی بحرِ ظلمات میں غرق تھی اور رُوحانیت شیطنت سے مغلوب ہو رہی تھی، خلاّقِ عالم نے اپنے آخری نبی اور محبوب ترین رسول حضرت محمد ﷺ فداہ رُوحی وقلبی کو اِس دُنیا میں بھیجا تاکہ آپ نورِ ہدایت سے ظلماتِ ضلالت کو شکست دیں اور حق کو باطل پر غالب کر دیں۔ ہمارے ماں باپ آپ پر نثار ہوں آپ ﷺ تشریف لائے اور آتے ہی باذن اللہ دُنیا کا رُخ پلٹ دیا، بندوں کا ٹوٹا ہوا رشتہ خدا سے جوڑا، اور جو کم نصیب قعرِ مذلت میں گر چکے تھے اُن کو وہاں سے اُٹھا کر اَوجِ رِفعت پر پہنچایا۔ مشرکوں کو مواحد بنایا اور کافروں کو مومن، بت پرستوں کو خدا پرست کیا اور بت سازوں کو بت شکن، رہزنوں کو رہنمائی سکھائی اور غلاموں کو آقائی، چور چوکیدار بن گئے اور ظالم غم خوار بن گئے اور جو دُنیا بھر کے آوارہ تھے وہی سب سے زیادہ متمدن ہو گئے اور جن کا قومی شیرازہ بالکل منتشر ہو چکا تھا وہ کامل طور پر منظّم کر دیے گئے۔ رُوحانیت کے فرشتے شیطنت پر غالب آ گئے۔ کفر و شرک، بدعت و ضلالت اور ہر قسم کی گمراہیوں کو زبردست شکست ہوئی۔ شقاوت و بدبختی کا موسم بدل گیا، ظلم و عدوان اور فساد و طغیان کا زور ختم ہو گیا، صداقت اور خیر و سعادت نے عالمگیر فتح پائی اور زمین پر اَمن و عدالت کی ایک بادشاہت قائم ہو گئی۔

جس وقت عالمِ انسانی کے اِس منجیٔ اعظم ﷺ نے اِس عالمِ آب و گل میں اپنا پہلا قدم رکھا تھا وہ ربیع الاوّل ہی کا مہینہ تھا اور پھر جب آپ ﷺ کا سن شریف چالیس برس کا ہوا تو اُسی مہینہ میں اصلاحِ عالم کا کام آپ کے سپرد ہوا۔ پس اِس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ ربیع الاوّل ہی اِس رحمتِ عامہ کے ظہور کا مبداء اور رُوحانی خیرات و برکات کے وفور کا منبع ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب یہ ماہِ مبارک آتا ہے تو مسلمانوں کے قلوب میں (حتی کہ اُن دلوں میں بھی جو دُوسرے موسموں میں بالکل غافل رہتے ہیں) اِس وجودِ مقدس کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور طرح طرح سے خوشیوں اور مسرتوں کا اِظہار کیا جاتا ہے۔ نعمائے الٰہی کی یاد سے خوش ہونا بُری چیز نہیں بلکہ حدودِ شرعیہ سے تجاوز نہ ہو تو ایک درجہ میں محمود ہے لیکن آج مجھے عرض کرنا یہ ہے کہ :

آپ جشن کی اِن گھڑیوں اور شادمانی کی اِن ساعتوں میں اِس قابلِ ماتم حقیقت کو کیوں بھول جاتے ہیں کہ اِس مقدس ومسعود وَجود نے اِس مبارک مہینے میں نزولِ اجلال فرما کر آپ کو جو کچھ دیا تھا آج آپ اپنی شامتِ اعمال سے سب کچھ کھو چکے ہیں۔ ربیع الاوّل اگر آپ کے لیے خوشیوں کا موسم اور مسرتوں کا پیغام ہے تو صرف اِس لیے کہ اِس مہینے میں دُنیا کی خزانِ ضلالت کو بہارِ ہدایت نے آخری شکست دی تھی اور اِسی مہینہ میں وہ ہادیٔ اعظم ﷺ رونق افروز عالم ہوئے تھے جنھوں نے تم پر رُوحانیت کے دروازے کھول دیے اور ساری نعمتیں تم کو دِلوادیں جن سے تم محروم تھے۔ پھر اگر آج تم اُن کی لائی ہوئی شریعت سے دُور اور اُن کی دلائی ہوئی نعمتوں سے محروم ومجہور ہوتے جارہے ہو تو کیا وجہ ہے کہ گزشتہ بہار کی خوشی تو مناتے ہو لیکن خزاں کی موجودہ پامالیوں پر نہیں روتے۔

تم ربیع الاوّل میں آنے والے کے عشق ومحبت کا دعوٰی رکھتے ہو اور اُس کی یاد کے لیے مجلسیں منعقد کرتے ہو لیکن یہ نہیں سوچتے کہ تمہاری زبان جس کی یاد کا دعوٰی کر رہی ہے اُس کی فراموشی کے لیے تمہارا ہر عمل گواہ ہے اور جس کی تعظیم وتکریم کا تم کو بڑا اِدعاء ہے، تمہاری گمراہانہ زندگی بلکہ تمہارے وجود سے اُس کی عزت کو بٹہ لگ رہا ہے۔

اگر تمہارے اِس دعوائے عشق ومحبت اور اِدعائے احترام وعظمت میں کوئی صداقت ہوتی اور تم کو درحقیقت اُن سے غلامی کا ادنیٰ سا تعلق ہوتا تو تمہاری دینی حالت ہرگز اِس قدر تباہ نہ ہوتی۔ تم اُن کی لائی ہوئی شریعت سے ایسے بیگانہ نہ ہوتے، تم نماز کے عادی ہوتے اور زکٰوۃ پر عمل، تقوٰی تمہارا شعار ہوتا اور اتباعِ سنت تمہارا طرۂ امتیاز، تم حرام وحلال میں فرق کرتے بلکہ مواقع شُبہات سے بھی بچتے، تمہاری زندگی نمونہ ہوتی صحابہ کرام کا اور تمہارا ہر عمل مرقع ہوتا اِسلام کا۔

پس جبکہ تمہارا یہ حال نہیں ہے اور تم اپنے دِلوں سے پوچھو وہاں سے بھی یہی جواب ملے گا کہ وہاں نہیں ہے تو پھر یقین کرو کہ ربیع الاوّل کے موقع پر تمہاری یہ عشق ومحبت کی نمائش محض فریبِ نفس ہے جس میں تم خود مبتلا ہو سکتے ہو یا تمہارے ظاہر میں دوست واَحباب، خداوند علیم وخبیر تمہارے اِس فریب میں نہیں آسکتا اور نہ اُس کے رسول ﷺ کو تم اِن خالی اَز حقیقت مظاہروں سے دھوکا دے سکتے ہو۔

اِس لیے میں تم سے کہتا ہوں اور اللہ کی قسم محض تمہاری خیر خواہی کے لیے کہتا ہوں کہ تم اپنی اِن

رسمی مجلسوں کی آرائشوں سے پہلے اپنے اُجڑے ہوئے دل کی خبر لو اور قندیلوں کے روشن کرنے کے بجائے اپنے قلوب کو نورِ ایمانی سے منور کرنے کی فکر کرو۔

تم اَغیار کی تقلید میں نقلی پھولوں کے گلدستے سجاتے ہو مگر تمہاری حسنات کا جو گلشن اُجڑ رہا ہے اُس کی حفاظت اور شادابی کا کوئی انتظام نہیں کرتے۔ تم ربیع الاوّل کی برکتوں اور رحمتوں کا تصور کر کے مسرت کے ترانے گاتے ہو لیکن اپنی اِس بربادی پر ماتم نہیں کرتے کہ تمہارا خدا تم سے رُوٹھا ہوا ہے۔ اُس نے تمہاری بداعمالیوں سے ناراض ہو کر اپنی دی ہوئی نعمتیں تم سے چھین لی ہیں۔ تم آقا سے غلام، حاکم سے محکوم، غنی سے مفلس، زَردار سے بے زر بلکہ بے گھر ہو چکے ہو، تمہارے ایمان کا چراغ ٹمٹما رہا ہے اور تمہارے اعمالِ صالحہ کا پھول مرجھا رہا ہے اور غضب بالائے غضب یہ ہے کہ تم غافل ہو۔ پس کیا اِس محرومی اور مغضوبی کی حالت میں بھی تم کو حق پہنچتا ہے کہ ربیع الاوّل میں آنے والے دین و دُنیا کی نعمتیں لانے والے رحمۃ للعالمین ﷺ کی آمد کی یادگار میں خوشیاں مناؤ، بقول علامہ ابوالکلام آزادؒ :

> ''کیا موت اور ہلاکی کو اِس کا حق پہنچتا ہے کہ زندگی اور رُوح کا اپنے کو ساتھی بنائے؟ کیا ایک مردہ لاش پر دُنیا کی عقلیں نہ پہنچیں گی اگر وہ زندوں کی طرح زندگی کو یاد کرے گی؟ ہاں یہ سچ ہے کہ آفتاب کی روشنی کے اَندر دُنیا کے لیے بڑی ہی خوشی ہے لیکن اَندھے کو کب زیب دیتا ہے کہ وہ آفتاب کے نکلنے پر آنکھوں والے کی طرح خوشیاں منائے۔''

پس اے غفلت شعارانِ ملت! تمہاری غفلت پر صد فغاں وحسرت اور تمہاری سرشاریوں پر صد ہزار نالہ وبکا، اگر تم اِس ماہِ مُبارک کی اصلی عزت وحقیقت سے بے خبر ہو اور صرف زبانوں کے ترانوں اور دیوار کی آرائشوں اور روشنی کی قندیلوں ہی میں اِس کے مقصد یادگاری کو گم کر دو، تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مبارک مہینہ اُمتِ مسلمہ کی بنیاد کا پہلا دن ہے۔ خداوندی بادشاہت کے قیام کا اوّلین اعلان ہے۔ خلافتِ ارضی و وراثتِ الٰہی کی بخشش کا سب سے پہلا مہینہ ہے۔ پس اِس کے آنے کی خوشی اور اِس کا تذکرہ ویاد کی لذت، یہ اُس شخص کی رُوح پر حرام ہے جو اپنے ایمان اور عمل کے اندر اِس پیغامِ الٰہی کی تعمیل واطاعت اور اُسوہ حسنہ کی پیروی کے لیے کوئی نمونہ نہیں رکھتا۔

۞ ۞ ۞

ویڈیو اَور سی ڈی سے سکرین پر حاصل شدہ صورت کا حکم

﴿ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب ﴾

چند دن پہلے اِس موضوع پر دارالعلوم کراچی کا متفقہ فتوی پڑھنے کو ملا پھر ذوالحجہ 1429ھ کے البلاغ میں مولانا زاہد الراشدی صاحب اور جامعہ امدادیہ فیصل آباد کے مولانا زاہد صاحب کے شائع شدہ مضامین نظر سے گزرے۔ جون 2008ء کے محدث میں جامعہ اشرفیہ کے مولانا یوسف خان صاحب کا مضمون دیکھ چکا تھا۔ یہ سب حضرات ویڈیو اَور سی ڈی سے سکرین پر حاصل شدہ صورت کو تصویر نہیں مانتے۔ ہمیں اِن حضرات سے اتفاق نہیں ہوا اور مناسب معلوم ہوا کہ ہم واضح دلائل کے ساتھ اپنا مؤقف بھی پیش کردیں اور ضروری وضاحتیں بھی کردیں وما علینا الا البلاغ ۔ (عبدالواحد غفرلہٗ)

بِسْمِ اللّٰہِ حَامِدًا وَّ مُصَلِّیًا !

ایک وقت تھا کہ کسی سطح پر کسی صورت کے بننے یا بنانے کے اعتبار سے دو صورتیں ہوتی تھیں :

1۔ ناپائیدار عکس جو کسی کی صنعت کے بغیر پانی پر یا آئینہ پر خود بخود بنتا ہے اور شے کے سامنے سے ہٹ جانے پر خود بخود ختم ہوجاتا ہے۔

2۔ کاغذ یا کپڑے یا کسی اور چیز پر پائیدار نقش بنایا جائے جس کی بقاء کا مدار عکس کے خلاف ذی صورت کے سامنے ہونے نہ ہونے پر نہ ہو۔

کسی جاندار کی صورت گری کی پہلی صورت یعنی کسی جاندار کو مثلاً آئینہ کے سامنے کھڑا کرنا بالاتفاق جائز ہے جبکہ دُوسری صورت یعنی کاغذ یا کپڑے وغیرہ پر کسی بھی طریقے سے کسی جاندار کا پائیدار نقش بنانا برِصغیر کے ہمارے علماء کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے۔

اور بنیادی طور پر یہی دو صورتیں ہیں اور اِن کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں ہے لیکن جدید زمانے میں صورت گری کے دو نئی صورتیں سامنے آئیں :

پہلی صورت :

فلم کی نیگیٹیو (Negative) رِیل پر بنائی ہوئی تصویروں میں سے روشنی گزار کر سامنے سکرین پر اُس کا عکس ڈالا جائے۔ نیگیٹیو فلم پر تصویر کا ہونا تو واضح ہے لیکن اُس میں سے روشنی گزار کر سکرین پر تصویر کا عکس ڈالنا کیا حکم رکھتا ہے؟ اِس کو ہم آگے بیان کریں گے۔

دُوسری صورت :

ڈیجیٹل (Digital) کیمرے کے ذریعہ سے پہلے ویڈیو ٹیپ یا سی ڈی (Computer Disc) تیار کی جاتی ہے جس میں کوئی تصویر نہیں ہوتی بلکہ برقی ذرّات یا شعاعی اعداد و شمار ایک ترتیب سے محفوظ ہو جاتے ہیں پھر وی سی آر VCR کے ذریعہ ویڈیو ٹیپ کو چلا کر اَور کمپیوٹر سے سی ڈی کو چلا کر مطلوبہ منظر کو سکرین پر لایا جاتا ہے۔ سکرین پر دیکھے جانے والے منظر کا نقش پائیدار نہیں ہوتا بلکہ جونہی ویڈیو اَور سی ڈی کا سکرین سے رابطہ ختم کیا جاتا ہے تو سکرین خالی ہو جاتی ہے۔

غرض پہلی صورت کے برخلاف اِس صورت میں اوّل تو ٹیپ یا ڈسک پر سرے سے تصویر نہیں ہوتی دُوسرے اِس کو چلانے پر سکرین پر صورت تو نظر آتی ہے لیکن اُس کا نقش پائیدار نہیں ہوتا۔

اُوپر ہم بتا چکے ہیں کہ بنیادی طور پر دو ہی صورتیں ہیں یا تو عکس یا تصویر۔ اَب ہمیں دیکھنا ہے کہ ویڈیو ٹیپ یا سی ڈی سے سکرین پر حاصل شدہ صورت یا منظر عکس کے ساتھ لاحق ہے یعنی عکس کے حکم میں ہے یا تصویر کے ساتھ لاحق اَور اُس کے حکم میں ہے۔ اِس کو جاننا دو مقدموں پر موقوف ہے۔

مقدمہ نمبر 1 : تصویر کیا ہوتی ہے؟

عکس وہ ہوتا ہے جو خود بخود بنے آئینہ میں یا پانی پر یا ٹی وی سکرین پر جبکہ لائیو پروگرام ہو یا متعدد آئینوں کو ایک خاص ترتیب میں رکھ کر دُور تک عکس کو لے جانا ہو اِن میں عکس بننا کسی کے عمل کا محتاج نہیں ہوتا۔ یہ تو ہے کہ آپ کسی کے سامنے آئینہ رکھ دیں یا ٹی وی کے لائیو پروگرام کا سیٹ اَپ تیار کر دیں یا متعدد آئینوں کو ایک ترتیب سے رکھ دیں یہ عمل آپ کا ہوگا لیکن عکس آنے میں آپ کا کوئی عمل نہیں ہوتا جب ذُوعکس آئینہ اَور سیٹ اپ کے سامنے ہوں گے تو عکس خود بخود بنے گا اَور ذُوعکس کے سامنے سے ہٹ جانے سے عکس ختم ہو جائے گا

اِس کے برخلاف تصویر میں عکس کو بنایا جاتا ہے یا خود بنے ہوئے عکس کو محفوظ کیا جاتا ہے مثلاً آئینہ میں بنے ہوئے عکس کو روغن پینٹ وغیرہ لگا کر محفوظ کیا جاسکتا ہے۔ کیمرہ سے لی گئی فوٹو کے بارے میں بحث سے یہ بات ثابت ہے کہ طریقۂ کار کو اہمیت حاصل نہیں ہے لہٰذا عکس بنانا کسی بھی طریقہ سے ہو اِس سے فرق نہیں پڑتا

پہلے دَور میں عکس بنانے کا صرف ایک طریقہ تھا یعنی یہ کہ وہ پائیدار ہو اِس لیے فقہاء نے عکس اَور تصویر میں فرق اِس کی پائیداری کی بنیاد پر کیا، اَب ہمارے دَور میں عکس بنانے کا ایک نیا طریقہ ایجاد ہوا ہے جس میں بنایا ہوا عکس پائیدار نہیں ہوتا لیکن وہ عکس بہرحال بنایا جاتا ہے بنائے بغیر وہ عکس نہیں بنتا۔ ڈُو عکس کو ٹی وی سکرین یا کمپیوٹر سکرین کے سامنے کھڑا کر دیجیے کچھ عکس نہیں بنے گا اَب آپ ویڈیو کیمرہ لیجیے اَور ویڈیو ٹیپ تیار کیجیے پھر اُس ٹیپ کو وی سی آر پر چلائیے تو آپ کو اِس سکرین پر منظر اَور عکس نظر آئے گا، یہ عکس خود بخود نہیں بنا آپ کے بنانے سے بنا ہے اَور آپ نے اِس کا سبب محفوظ کرلیا ہے اَور جب چاہیں عکس کو دیکھ سکتے ہیں لہٰذا تصویر بنانے یا عکس بنانے کی آج کے اعتبار سے دو صورتیں ہوئیں : ایک پائیدار اَور دُوسری ناپائیدار۔

حدیث میں جاندار کی صورت بنانے کے عمل کو مضاہات یعنی اللہ تعالیٰ کی صورت گری کی صفت کے ساتھ مشابہت کہا گیا ہے اصل چیز عکس بنانے کا عمل ہے اِس کی اِس حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے :

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ یَخْلُقُ کَخَلْقِیْ الخ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بتاتے ہوئے سُنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو میری بنائی ہوئی (جاندار کی) صورت کی طرح صورت بنانے لگے۔

اس حدیث میں پائیدار اور ناپائیدار کے فرق کے بغیر مشابہت کرنے کے عمل کو ذکر کیا ہے جو دونوں صورتوں میں یکساں ہے۔

علاوہ اَزیں تصویر بنائی جاچکی ہو تو اَب مسئلہ اِس کے استعمال کا رہ جاتا ہے کہ اگر احترام کی جگہ میں ہو تو ناجائز اَور توہین کی جگہ میں ہو تو جائز۔ اصل مسئلہ تصویر بنانے کے عمل کا ہے اَور عمل عکس بنانے کی دونوں صورتوں میں یکساں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ تصویر سازی یعنی عکس بنانے کے دو طریقے ہیں: ایک پائیدار اَور دُوسرا غیر پائیدار اَور تصویر یعنی بنائے ہوئے عکس میں پائیدار اَور غیر پائیدار دونوں شامل ہیں۔

مقدمہ نمبر 2: آئینے کے عکس اَور سکرین پر وڈیو اَور سی ڈی کے ذریعہ حاصل شدہ صورت میں فرق :

(1) وڈیو اَور سی ڈی میں صنعت ہوتی ہے اَور آدمی کے اختیار سے ہوتی ہے جبکہ عکس میں ایسا نہیں ہوتا۔

(2) سکرین پر جب چاہے صورت لانے (Produce کرنے) کے لیے وڈیو یا سی ڈی میں اِس کے اسباب کو محفوظ کرلیا جاتا ہے، آئینہ کے عکس میں ایسا نہیں ہوتا۔

(3) ذی صورت کے غائب ہونے کے باوجود جب چاہو سکرین پر صورت کو ظاہر (Produce) کیا جاسکتا ہے، عکس میں ایسا نہیں ہوتا۔

(4) سکرین پر جتنی طویل مدت چاہو صورت کو برقرار رکھ سکتے ہو چاہو تو دائمی طور پر رکھو، عکس میں ایسا نہیں ہوتا۔

(5) وڈیو اَور سی ڈی میں عمل وصنعت کی وجہ سے مضاہات کا معنٰی پایا جاتا ہے، عکس میں ایسا نہیں ہوتا۔

(6) ٹی وی کے لائیو (Live) پروگرام میں واضح طور پر عکس ہوتا ہے اِس کے مقابلے میں وڈیو اَور سی ڈی کے ذریعہ تحصیلِ صورت میں عمل کہیں زیادہ ہے لٰہذا وہ عکس سے قطعی مختلف ہے۔

(7) حدیث میں ہے کہ ہم اَن پڑھ اُمت ہیں اِس لیے شریعت کے احکام کا مدار فطری طریقوں پر ہونا چاہیے۔ وڈیو اَور سی ڈی بنانے اَور اُس سے صورت حاصل کرنے کے عمل کو دیکھ کر یہ حکم لگانا کہ یہ آئینہ کے عکس سے مختلف ہے فطری طریقہ ہے اِس فطری طریقہ کو چھوڑ کر بلا وجہ سائنسی تدقیقات کی بنیاد پر اِس کو آئینہ کے عکس کی طرح سمجھنا حدیث کے خلاف ہے۔

وڈیو اَور سی ڈی سے حاصل شدہ صورت کا حکم :

اُوپر کے دو مقدموں کو سمجھ لینے کے بعد یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ وڈیو اور سی ڈی سے حاصل شدہ صورت یا تو خود تصویر ہے یا تصویر کے زیادہ قریب ہے اَور حکم میں اِس کے ساتھ لاحق ہے۔

تنبیہ 1 :

یہ بات اہم ہے کہ وِڈیو یا سی ڈی بنانا بذاتِ خود مطلوب و مقصود نہیں ہے بلکہ اِس سے اَصل مقصود سکرین پر صورت کو ظاہر کرنا ہے۔ لہٰذا وِڈیو اَور سی ڈی بنانے سے لے کر سکرین پر ظاہر کرنے تک مقصد کے اعتبار سے ایک عمل ہے۔ مقصد کو نظر اَنداز کر کے اِس عمل کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کرنا اور ہر ٹکڑے کو مستقل اور علیحدہ مقصود سمجھ کر مسئلہ کو دیکھنا دُرست نہیں۔ مشہور فقہی ضابطہ ہے **اَلْاُمُوْرُ بِمَقَاصِدِھَا** لہٰذا وِڈیو ٹیپ اور سی ڈی بنانے کے عمل کو سکرین پر ظاہر کی جانے والی صورت سے علیحدہ نہیں کیا جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ ذی صورت کی صورت کو اِس طرح محفوظ کیا ہے کہ ذی صورت کی عدم موجودگی میں بھی جب چاہیں اُس کی صورت کو حاصل کر سکیں۔ اِس پہلو سے بھی وِڈیو اَور سی ڈی سے حاصل شدہ صورت کاغذ کی تصویر کے زیادہ قریب ہے اور اِسی کے ساتھ لاحق ہونے کے مناسب ہے۔

تنبیہ 2 :

اِنہی مذکورہ وجوہ کی بنا پر اُوپر ہم نے جس نیگیٹو فلم کی رِیل کا ذکر کیا تھا کہ جس میں سے روشنی گزار کر سکرین پر تصویروں کا عکس ڈالا جاتا ہے وہ عکس بھی تصویر ہی کے حکم میں ہے۔

دو اہم وضاحتیں :

پہلی وضاحت :

مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہٗ نے ذوالحجہ 1429ھ کے البلاغ میں چھپے ہوئے اپنے مضمون میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اُن کے نزدیک بھی ٹی وی سکرین پر نظر آنے والی نقل وحرکت پر تصویر کا اِطلاق نہیں ہوتا۔ اُنہوں نے حضرت مفتی صاحبؒ کی یہ بات تو نقل کی کہ ''تصویر کھینچنا اور کھینچوانا ناجائز ہے خواہ دستی ہو یا عکسی دونوں تصویریں ہیں اور تصویر کا حکم رکھتی ہیں'' لیکن پھر اُن کے اِس فتوے کو نقل کر کے کہ :

''سینما اگر اَخلاق سوز اور بے حیائی کے مناظر سے خالی ہو اور اُس کے ساتھ گانا بجانا اور ناجائز اَمر نہ ہو تو فی حد ذاتہٖ مباح ہوگا۔''

مولانا زاہدالراشدی صاحب نے یہ مطلب نکالا کہ :

''تصویر اور سکرین دونوں کے بارے میں حضرت مفتی صاحبؒ کے اِرشادات کا مطالعہ کیا جائے تو اِس کے سوا کچھ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ تصویر اور سکرین دونوں کو الگ الگ سمجھتے تھے۔ اُن کے نزدیک سکرین پر تصویر کا اِطلاق نہیں ہوا اور اگر دیگر ممنوعہ اُمور سے خالی ہو تو سکرین فی حد ذاتہٖ مباح کا درجہ رکھتی ہے۔''

ہم کہتے ہیں :

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے سے مذکورہ مطلب نکالنا بہرحال دُرست نہیں کیونکہ اُن کے زمانے میں سینما کی فلم کی رِیل نیگیٹو کی صورت میں ہوتی تھی جس پر واضح طور سے تصویر کے نقش ہوتے تھے اور جاندار کی تصویر چھوٹی ہو یا بڑی اُس کو بنانا بالاتفاق ناجائز ہے۔ تو جب سینما کی سکرین پر آنے والی جاندار کی صورت اُس کی تصویر بنانے پر موقوف تھی تو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات سے یہ مطلب کیسے نکل سکتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کی سکرین پر دکھائی جانے والی نیگیٹو فلم بنانے کو جائز سمجھتے ہوں گے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ احتمال ہے کہ مفتی صاحبؒ نیگیٹو فلم کو جائز نہ سمجھتے ہوں گے لیکن اُس کے بننے کے بعد سکرین پر حاصل شدہ صورت کو تصویر بھی نہ سمجھتے ہوں گے تو ہم جواب میں کہتے ہیں :

1۔ مفتی صاحبؒ کے کلام میں اِس اِحتمال پر کوئی صراحت یا دَلالت نہیں ہے۔

2۔ اِس کے بارے میں ہم اُوپر وضاحت کر چکے ہیں کہ وہ بھی تصویر کے حکم میں ہے۔

رہا سینما کے فی حد ذاتہٖ مباح ہونے کا معاملہ تو یہ ہمیں بھی تسلیم ہے۔ سینما و فلم جو جاندار کی تصویر سے اور گانے بجانے سے خالی ہو اور جس میں کوئی ناجائز امر بھی نہ ہو، وہ بلاشبہ مباح ہے۔ فلم کے ذریعہ سے جغرافیہ، تاریخ اور سائنس کے مضامین سیکھے جا سکتے ہیں۔ جاندار کو بھی بغیر سر اور چہرے کے دکھایا جا سکتا ہے۔ ٹی وی، وی سی آر اَور سی ڈی کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ فی حد ذاتہٖ مباح ہیں جبکہ اُن کے پروگرام جاندار کی تصویر سے خالی ہوں، اِسی پر مولانا زاہدالراشدی صاحب کی ذکر کردہ مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی یہ عبارت بھی محمول ہے :

''اِن کا (یعنی ٹی وی، وی سی آر کا) حکم آلات لہو ولعب اور گانے کے آلات کا نہیں ہو سکتا

کہ جس پر نیک کاموں کی بے حرمتی بنتی ہو۔ اِن میں ہر مباح کام بھی جائز اور نیک کام بھی جائز ہے۔''(مجلّہ البلاغ ذوالحجہ 1429ھ)

اور اِسی پر مولانا اِدریس کاندھلوی رحمہ اللہ کا یہ کلام بھی محمول ہے :

''یہ (ٹی وی سکرین) چاقو ہے اِس سے خربوزہ کاٹو گے تو جائز ہے اور کسی کا پیٹ پھاڑو گے تو ناجائز ہے۔''(مجلّہ البلاغ ذوالحجہ 1429ھ)

دُوسری وضاحت :

دارالعلوم کراچی کے رمضان 1429ھ میں جاری کیے گئے فتوے میں جاندار کی تصویر کے بارے میں فقہاء کی آراء کو اِس طرح بیان کیا گیا ہے :

''اگر تصویر مجسموں کی شکل میں ہو اور اُس کے وہ تمام اَعضاء موجود ہوں جن پر زندگی کا اِنحصار ہوتا ہے۔ نیز وہ تصویر بہت چھوٹی بھی نہ ہو اور گڑیوں کی قسم سے بھی نہ ہو تو اُس کے حرام ہونے پر پوری اُمت کا اتفاق ہے یعنی اُس کا بنانا اور استعمال کرنا بالاتفاق حرام اور ناجائز ہے اِس میں کسی کا کوئی اِختلاف نہیں ہے۔

لیکن اگر تصویر مجسموں کی شکل میں نہ ہو بلکہ وہ کاغذ یا کپڑے وغیرہ پر اِس طرح بنی ہوئی ہو کہ اُس کا سایہ نہ پڑتا ہو تو اُس کے بارے میں ائمہ کرامؒ کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جمہور فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا مؤقف اِس میں بھی یہی ہے کہ یہ بھی ناجائز ہے البتہ امام مالک رحمہ اللہ سے ایسی تصویر کے جائز اور ناجائز ہونے کی دونوں روایتیں منقول ہیں۔ اِس لیے علماءِ مالکیہ کے یہاں اِس مسئلہ میں اِختلاف ہے۔

بعض مالکیہ ایسی تصویر کو بغیر کسی کراہت کے مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں خواہ وہ موضع امتہان میں ہو یا نہ ہو۔ مالکیہ میں سے جو حضرات اِن تصاویر کے جائز ہونے کا فتوی دے رہے ہیں اُن میں بہت سے بڑے بڑے محققین علماء بھی شامل ہیں۔ علامہ ابن القاسم مالکی رحمہ اللہ، علامہ دردیر مالکیؒ، علامہ ابی مالکیؒ، ....وغیرہ جلیل القدر محققین قابل ذکر ہیں۔

حنابلہ کے یہاں بھی کپڑے یا پردے پر بنی ہوئی تصویر کے جائز اور ناجائز ہونے کی دونوں روایتیں موجود ہیں۔ ......علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ نے "اَلْمُغْنِیْ" میں اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "فَتْحُ الْبَارِیْ" میں حنابلہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے لکھا کہ اُن کے یہاں کپڑے پر بنی ہوئی تصویر حرام نہیں۔.......... بعض سلف مثلاً حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ (جن کا شمار فقہائے مدینہ میں ہوتا ہے) سمیت بعض صحابہ وتابعین کے بارے میں یہ منقول ہے کہ وہ حضرات بھی سایہ والی اور غیر سایہ والی تصویر میں فرق کرتے ہیں، سایہ دار تصاویر کو ناجائز اور غیر سایہ دار تصاویر کو جائز سمجھتے ہیں۔"

ہم کہتے ہیں :

دارالعلوم کے فتوے کی اِس عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید بعض مالکیہ اور حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ سمیت بعض صحابہ وتابعین کے رائے ہے کہ جاندار کی غیر سایہ دار تصویر بنانا بھی جائز ہے اور اِس کو ہر طرح سے اِستعمال کرنا بھی۔

جاندار کی تصویر میں دو باتیں اہم ہوتی ہیں۔ ایک اُس کو بنانا اور دُوسرے اُس کو اِستعمال کرنا۔ مورتی یا مجسمہ کے بارے میں تو فتوے میں مذکور ہے کہ اُس کو بنانا اور اِستعمال کرنا دونوں ہی ناجائز ہیں۔ لیکن کاغذ اور کپڑے وغیرہ پر تصویر کے بارے میں وضاحت نہیں کہ بعض مالکیہ اور حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جواز بنانے کا بھی ہے یا نہیں۔

یہی صورتِ حال مولانا تقی عثمانی مدظلہ' کی تکملہ فتح الملہم کی عبارت کی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں :

وَقَدِ اخْتَلَفَ الرِّوَایَاتُ عَنْ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِیْ مَسْئَلَةِ التَّصْوِیْرِ وَلِذَالِكَ وَقَعَ الْاِخْتِلَافُ بَیْنَ الْعُلَمَاءِ الْمَالِكِیَّةِ فِیْ هٰذَا. وَالَّذِیْ اَجْمَعَتْ عَلَیْهِ الرِّوَایَاتُ وَالْاَقْوَالُ فِیْ مَذْهَبِ الْمَالِكِیَّةِ حُرْمَةُ التَّصَاوِیْرِ الْمُجَسَّدَةِ الَّتِیْ لَهَا ظِلٌّ . وَالْخِلَافُ فِیْ مَا لَیْسَ لَهٗ ظِلٌّ مِمَّا یُرْسَمُ عَلٰی وَرَقٍ اَوْ ثَوْبٍ . (ص159 ج4)

"تصویر کے مسئلہ میں امام مالکؒ سے مختلف روایتیں ملتی ہیں۔ اِسی وجہ سے اِس بارے

میں مالکی علماء کے درمیان اِختلاف واقع ہوا ہے۔ مورتیوں کی حرمت پر تو مالکیہ کے تمام اَقوال و رَوایات متفق ہیں البتہ کاغذ یا کپڑے پر بنائی ہوئی تصویر میں اِختلاف ہے۔''

اِس طرح کی موہم عبارتیں پڑھ کر بعض اہلِ علم حضرات بھی خلافِ واقعہ اِس غلطی میں مبتلا ہو گئے کہ بعض مالکیہ کے نزدیک کاغذ وغیرہ پر تصویر بنانا جائز ہے۔

1۔ جامعہ اشرفیہ لاہور کے مولانا محمد یوسف خان صاحب تکملہ فتح الملہم وغیرہ سے ایک عبارت نقل کرکے اُس کا ترجمہ کرتے ہیں :

فَالْحَاصِلُ اَنَّ الْمَنْعَ مِنِ اتِّخَاذِ الصُّوَرِ مُجْمَعٌ عَلَیْہِ فِیْمَا بَیْنَ الْاَئِمَّۃِ الْاَرْبَعَۃِ اِذا کَانَتْ مُجَسَّدَۃً . اَمَّا غَیْرُ الْمُجَسَّدَۃِ مِنْھَا فَاتَّفَقَ الْاَئِمَّۃُ الثَّلاثَۃُ عَلٰی حُرْمَتِھَا اَیْضًا وَالْمُخْتَارُ عَنِ الْاَئِمَّۃِ الْمَالِکِیَّۃِ کَرَاھَتُھَا لٰکِنْ ذَھَبَ بَعْضُ الْمَالِکِیَّۃِ اِلٰی جَوَازِھَا .

(تکملہ فتح الملہم ص 159 ج 4 ، فتح الباری ص 391 ج 10)

''خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہؒ کے نزدیک تصویر کشی بالاتفاق ناجائز ہے جبکہ وہ مجسم شے ہو۔ البتہ غیر مجسم شے کی تصویر کشی کی حرمت پر تین ائمہ فقہا تو متفق ہیں اور مالکیہ کا مختار مسلک کراہت کا ہے لیکن بعض مالکیہ کے یہاں اِس کا جواز بھی پایا جاتا ہے۔''

2۔ جامعہ اِمدادیہ فیصل آباد کے مولانا محمد زاہد صاحب لکھتے ہیں :

''کیونکہ بیشتر فقہاء کے یہاں جاندار کی تصویر کے بنانے یا رکھنے میں متعدد استثناءات موجود ہیں۔'' (مجلّہ البلاغ ص 51 ذوالحجہ 1429ھ)

ہم کہتے ہیں :

اَصل بات یہ ہے کہ تصویر کے مسئلہ میں دو لفظ اِستعمال ہوتے ہیں۔ ایک تصویر بمعنی مصدر یعنی تصویر بنانا اور دُوسرے اتخاذِ صورت یعنی تصویر کو رکھنا اور استعمال کرنا۔

تصویر سازی یعنی تصویر بنانا خواہ مورتی کی صورت میں ہو یا کاغذ و کپڑے پر وہ بالاتفاق حرام ہے۔ مالکیہ میں سے کسی نے یہ تصریح نہیں کی کہ اُن کے نزدیک کاغذ و کپڑے پر تصویر بنانا جائز ہے۔ اِسی وجہ سے

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

قَالَ اَصْحَابُنَا وَغَیْرُھُمْ مِنَ الْعُلَمَاءِ تَصْوِیْرُ صُوْرَةِ الْحَیَوَانِ حَرَامٌ شَدِیْدُ التَّحْرِیْمِ وَھُوَ مِنَ الْکَبَائِرِ لِاَنَّہٗ فَتوعد عَلَیْہِ بِھٰذَا الْوَعِیْدِ الشَّدِیْدِ الْمَذْکُوْرِ فِی الْاَحَادِیْثِ وَسَوَاءٌ صَنْعُہٗ بِمَا یُمْتَھَنُ اَوْبِغَیْرِہٖ. فَصَنْعَتُہٗ حَرَامٌ بِکُلِّ حَالٍ لِاَنَّ فِیْہِ مُضَاھَاةً لِّخَلْقِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَسَوَاءٌ مَاکَانَ فِیْ ثَوْبٍ اَوْ بِسَاطٍ اَوْ دِرْھَمٍ اَوْ دِیْنَارٍ اَوْ فَلَسٍ اَوْ اِنَاءٍ اَوْ حَائِطٍ اَوْ غَیْرِھَا. (شرح مسلم)

''ہمارے اَصحاب (یعنی علمائے شافعیہ) اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ جاندار کی تصویر بنانا شدید حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ اِس پر اَحادیث میں سخت وعید آئی ہے خواہ اُس کو ایسی چیز پر بنایا ہو جس کی اہانت کی جاتی ہو یا کسی دُوسری چیز پر۔ غرض تصویر بنانا ہر حال میں حرام ہے کیونکہ اِس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ مشابہت ہے۔ اور خواہ تصویر سازی کپڑے پر ہو یا چادر پر ہو یا درہم، دینار یا پیسے پر ہو یا برتن یا دیوار وغیرہ پر ہو۔''

تصویر رکھنے اور اِستعمال کرنے کے بارے میں البتہ کچھ اِختلاف ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

اَمَّا اِتِّخَاذُ الْمُصَوَّرِ فِیْہِ صُوْرَةُ حَیَوَانٍ فَاِنْ کَانَ مُعَلَّقًا عَلٰی حَائِطٍ اَوْثَوْبًا مَّلْبُوْسًا اَوْ عَمَامَةً وَنَحْوِ ذَالِکَ مِمَّا لَایُعَدُّ مُمْتَھَنًا فَھُوَ حَرَامٌ وَاِنْ کَانَ فِیْ بِسَاطٍ یُدَاسُ وَمَخْدَةً وَوِسَادَةً وَنَحْوِھَا مِمَّا یُمْتَھَنُ فَلَیْسَ بِحَرَامٍ .

''رہا کسی مصور چیز کو رکھنا یا اِستعمال کرنا جس میں کسی جاندار کی صورت ہو تو اگر وہ دیوار پر لٹکی ہوئی ہو یا پہننے والا کپڑا ہو یا عمامہ ہو اور اِنہی کی طرح کا کوئی ایسا اِستعمال جو اہانت کا شمار نہ ہوتا ہو تو وہ حرام ہے۔ اور اگر جاندار کی صورت ایسے فرش پر ہو جو پاؤں تلے روندا جاتا ہو یا بیٹھنے کی گدی پر ہو اور اِس طرح کا کوئی ایسا اِستعمال جو اہانت کا شمار ہوتا ہو تو وہ حرام نہیں ہے۔''

اتخاذِ صورت یعنی تصویر کے رکھنے اور اِستعمال کرنے کے بارے میں وھبہ زُحیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

وَنَقَلَ ابْنُ حَجَرٍ فِیْ فَتْحِ الْبَارِیْ شَرْحِ الْبُخَارِیْ عَنِ ابْنِ الْعَرَبِیِّ رَأْیَهٗ فِی اتِّخَاذِ الصُّوَرِ قَائِلًا : حَاصِلُ مَا فِی اتِّخَاذِ الصُّوَرِ اَنَّهَا اِنْ کَانَتْ ذَاتَ اَجْسَامٍ حَرُمَ بِالْاِجْمَاعِ وَاِنْ کَانَتْ رَقْمًا فَاَرْبَعَةُ اَقْوَالٍ :

اَلْاَوَّلُ : یَجُوْزُ مُطْلَقًا عَمَلًا بِحَدِیْثِ الا رقما فی ثوب.

اَلثَّانِیْ :اَلْمَنْعُ مُطْلَقًا.

اَلثَّالِثُ :اِنْ کَانَتِ الصُّوْرَةُ بَاقِیَةَ الْهَیْئَةِ ، قَائِمَةَ الشَّکْلِ حَرُمَ وَاِنْ کَانَتْ مَقْطُوْعَةَ الرَّأْسِ اَوْ تَفَرَّقَتِ الْاَجْزَاءُ جَازَ .

اَلرَّابِعُ :اِنْ کَانَتْ مِمَّا یُمْتَهَنُ جَازَ وَاِلَّا لَمْ یَجُزْ .

''علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں تصویر کے اِستعمال کے بارے میں ابن العربی سے نقل کیا۔تصویر کے استعمال کے بارے میں خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر وہ مورتی اور مجسمہ ہے تو بالاتفاق حرام ہے۔اور اگر کسی چیز پر نقش ہو تو چار اقوال ہیں :

1۔ ہر حال میں جائز ہے۔اِس کی دلیل حدیث کے الفاظ الا رقما فی ثوب ہے

2۔ ہر حال میں ناجائز ہے۔

3۔ اگر تصویر کی اپنی مکمل شکل قائم ہے تو حرام ہے اور اگر اُس کا سر کٹا ہوا ہو یا اجزاء متفرق ہوں تو جائز ہے۔

4۔ اگر اِستعمال اہانت کا ہے تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے بعض سلف کے بارے میں فرمایا :

وَذَهَبَ بَعْضُ السَّلَفِ اِلٰی اَنَّ الْمَمْنُوْعَ مَا کَانَ لَهٗ ظِلٌّ وَاَمَّا مَالَا ظِلَّ لَهٗ فَلَا بَأْسَ بِاتِّخَاذِهٖ مُطْلَقًا.

''بعض سلف کا قول ہے کہ سایہ دار تصویریں (یعنی مورتیاں) منع ہیں اور رَہیں غیر سایہ دار تصویریں اُن کو رکھنا اور اِستعمال کرنا ہر طرح سے جائز ہے۔''

اُوپر جن بعض مالکیہ کا ذکر ہے اُن میں سے علامہ دردیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

وَالْحَاصِلُ اَنَّ تَصَاوِیْرَ الْحَیَوَانِ تَحْرُمُ اِجْمَاعًا اِنْ کَانَتْ کَامِلَۃً لَّھَا ظِلٌّ مِمَّا یَطُوْلُ اِسْتِمْرَارُہٗ بِخِلَافِ نَاقِصِ عُضْوٍ لَایَعِیْشُ بِہٖ لَوْکَانَ حَیَوَانًا وَبِخِلَافِ مَا لَا ظِلَّ لَہٗ کَنَقْشٍ فِیْ وَرَقٍ اَوْجِدَارٍ اَوْ فِیْ مَا لَا یَطُوْلُ اِسْتِمْرَارُہٗ خِلَافٌ وَالصَّحِیْحُ حُرْمَتُہٗ (تکملہ فتح الملہم ص 159ج4)

''حاصل یہ ہے کہ جانداروں کی تصویروں کا اِستعمال بالاتفاق حرام ہے اگر وہ مکمل ہوں اور سایہ دار ہوں اور ایک عرصہ تک رہتی ہوں برخلاف اُس تصویر کے جس میں ایسا عضو کم ہو جس کے بغیر جاندار زندہ نہیں رہ سکتا اور برخلاف غیر سایہ دار تصویر کے جیسے کاغذ یا دیوار پر نقش ہو۔ اگر ایسی چیز پر نقش ہو جو زیادہ دیر نہیں رہتی مثلاً خربوزے کے چھلکے پر تو اِس میں اختلاف ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ بھی حرام ہے۔''

اِس عبارت میں تصاویر کی حرمت اور عدمِ حرمت سے مراد اِستعمال کی حرمت وغیرہ ہے کیونکہ یہاں کاغذ یا دیوار پر نقش کے جائز ہونے کا حکم لگایا ہے۔ حالانکہ امام نووی رحمہ اللہ کی بات اُوپر گزر چکی ہے کہ اِن پر بھی تصویر بنانا بالاتفاق حرام ہے۔ لہٰذا یہاں مراد اِستعمال ہے نہ کہ تصویر سازی۔

اِسی طرح حضرت قاسم بن محمدؒ کے بارے میں جو روایت ہے اُس کو ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے :

عَنِ ابْنِ عَوْنٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَی الْقَاسِمِ وَھُوَ بِاَعْلٰی مَکَّۃَ فِیْ بَیْتِہٖ فَرَأَیْتُ فِیْ بَیْتِہٖ حَجْلَۃً فِیْھَا تَصَاوِیْرُ الْقُنْدُسِ وَالْعَنْقَاءِ .

''ابن عون کہتے ہیں کہ میں بالائی مکہ میں حضرت قاسم بن محمد کے گھر میں داخل ہوا تو میں نے اُن کے کمرے میں ایک پردہ دیکھا جس پر پرندوں کی تصویریں تھیں۔''

اِس روایت میں بھی جاندار کی تصویر کے اِستعمال کا ذکر ہے بنانے کا کچھ ذکر نہیں ہے۔

گلدستۂ اَحادیث

﴿ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب، اُستاذ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور ﴾

دوزخیوں کی پانچ قسمیں ہیں :

عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلٰثَةٌ ذُوْسُلْطَانٍ مُقْسِطٌ مُتَصَدِّقٌ مُوَفَّقٌ ، وَرَجُلٌ رَحِيْمٌ رَقِيْقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِیْ قُرْبٰی وَمُسْلِمٍ ، وَعَفِيْفٌ مُتَعَفِّفٌ ذُوْعِيَالٍ ، وَاَهْلُ النَّارِ خَمْسَةٌ اَلضَّعِيْفُ الَّذِیْ لَازَبْرَلَهٗ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْكُمْ تَبَعٌ لَايَبْغُوْنَ اَهْلًا وَلَامَالًا ، وَالْخَائِنُ الَّذِیْ لَايَخْفٰی لَهٗ طَمْعٌ وَاِنْ دَقَّ اِلَّا خَانَهٗ ، وَرَجُلٌ لَايُصْبِحُ وَلَايُمْسِیْ اِلَّا وَهُوَ يُخَادِعُكَ عَنْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ ، وَذَكَرَ الْبُخْلَ اَوِالْكَذِبَ ، وَالشِّنْظِيْرَ الْفَحَّاشَ . (مسلم بحوالہ مشکوۃ ص ۴۲۲)

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جنتی لوگوں کی تین قسمیں ہیں: ایک تو وہ حاکم جو عدل و اِنصاف کرتا ہو اور لوگوں کے ساتھ احسان کرتا ہو اور جسے (نیکیوں اور بھلائیوں کی) توفیق دی گئی ہو، دُوسرے وہ شخص جو مہربان ہو اور قرابت داروں اور مسلمانوں کے لیے نرم دل ہو، تیسرے وہ شخص جو (ناجائز اور حرام چیزوں سے) بچنے والا (غیر اللہ کے آگے دستِ سوال دَراز کرنے سے) پرہیز کرنے والا اور اہل وعیال کے بارے میں اللہ پر توکل کرنے والا ہو۔

اور دوزخیوں کی پانچ قسمیں ہیں: ایک تو کمزور عقل والے (کہ جن کی عقل کی کمزوری اُن کو ناشائستہ اُمور سے باز نہیں رکھتی) یعنی ایسے لوگ جو تمہارے تابع اور خادم ہیں اُن کو نہ بیوی کی خواہش ہوتی ہے نہ مال کی پروا (مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو بیوی بچوں سے بے نیاز ہوکر مالداروں کے اِرد گرد چکر کاٹتے رہتے ہیں اُن کی خدمت

گزاری اور وفا شعاری میں لگے رہتے ہیں۔ اُن کے یہاں کے کھانے کھاتے اور اُن کے دیے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں اور اِس کی پرواہ نہیں کرتے کہ یہ کھانے اور کپڑے حلال کے ہیں یا حرام کے) دُوسرے وہ شخص جو خائن و بد یانت ہے کہ اُس پر مخفی نہیں رہتی کوئی ایسی چیز جس کی طمع کی جا سکتی ہو اگر چہ وہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو مگر وہ اُس میں خیانت کر لیتا ہے (مطلب یہ ہے کہ اِس قدر لالچی ہے کہ معمولی معمولی چیز کی ٹوہ میں رہتا ہے اگر وہ اُسے مل جائے تو اُس میں خیانت کر لیتا ہے) تیسرے وہ شخص جو صبح و شام تمہیں تمہارے اہل و عیال کے بارے میں دھوکا دینے کے چکر میں رہتا ہے، چوتھے آپ نے بخیل یا جھوٹے کا ذکر کیا اور پانچویں بد خلق فحش گو کا تذکرہ کیا۔

پانچ اہم باتیں :

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ یَّأْخُذُ عَنِّیْ ھٰؤُلآءِ الْکَلِمَاتِ فَیَعْمَلُ بِھِنَّ اَوْ یُعَلِّمُ مَنْ یَّعْمَلُ بِھِنَّ قُلْتُ اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَعَدَّ خَمْسًا فَقَالَ اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ، وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰہُ لَکَ تَکُنْ اَغْنَی النَّاسِ، وَاَحْسِنْ اِلٰی جَارِکَ تَکُنْ مُؤْمِنًا ، وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ تَکُنْ مُسْلِمًا ، وَلَا تُکْثِرِ الضِّحْکَ فَاِنَّ کَثْرَةَ الضِّحْکِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ (مسند احمد، ترمذی بحوالہ مشکوۃ ص ۴۴۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کون شخص ہے جو مجھ سے پانچ باتوں کو سیکھے اور پھر اُن پر عمل کرے یا کسی شخص کو سکھائے جو اُن پر عمل کرنے والا ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (یہ سن کر) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور وہ پانچ باتیں گنائیں اور اُن کو اِس طرح بیان فرمایا کہ (1) تم اُن چیزوں سے بچو جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ اگر تم اُن سے بچو گے تو تم لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار بندے ہو گے۔ (2) تم اُس چیز پر راضی (و شاکر) رہو جو اللہ نے تمہاری قسمت میں لکھدی ہے۔ اگر تم تقدیر الٰہی

پر راضی و مطمئن رہو گے تو تم لوگوں میں سب سے زیادہ غنی شمار ہو گے۔(3) تم اپنے ہمسایہ سے اچھا سلوک کرو اگر تم ایسا کرو گے تو مومنِ کامل سمجھے جاؤ گے۔(4) تم (دُنیا وآخرت کی بھلائیوں سے متعلق) جس چیز کو اپنے لیے پسند کرتے ہو اُس کو دُوسروں کے لیے بھی پسند کرو، اگر تم ایسا کرو گے تو تم کامل مسلمان سمجھے جاؤ گے۔(5) اور تم زیادہ نہ ہنسا کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دِل کو مردہ (اور خدا کی یاد سے غافل) بنا دیتا ہے۔

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو :

عَنْ عَمْرِو بْنِ مَیْمُوْنِ الْاَوْدِیِّ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِرَجُلٍ وَھُوَ یَعِظُہٗ اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَکَ قَبْلَ ھَرَمِکَ ، وَصِحَّتَکَ قَبْلَ سُقْمِکَ ، وَغِنَاکَ قَبْلَ فَقْرِکَ ، وَفَرَاغَکَ قَبْلَ شُغْلِکَ ، وَحَیَاتَکَ قَبْلَ مَوْتِکَ. (جامع ترمذی بحوالہ مشکوۃ ص۴۴۱)

حضرت عمرو بن میمون اَودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو (1) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔(2) صحت کو بیماری سے پہلے۔(3) تونگری وخوشحالی کو فقر و افلاس سے پہلے۔(4) فراغت کو مشغولیت سے پہلے۔(5) زندگی کو موت سے پہلے۔

قارئین انوارِ مدینہ کی خدمت میں اپیل

ماہنامہ انوارِ مدینہ کے ممبر حضرات جن کو مستقل طور پر رسالہ ارسال کیا جا رہا ہے لیکن عرصہ سے اُن کے واجبات موصول نہیں ہوئے اُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ انوارِ مدینہ ایک دینی رسالہ ہے جو ایک دینی ادارہ سے وابستہ ہے اس کا فائدہ طرفین کا فائدہ ہے اور اس کا نقصان طرفین کا نقصان ہے اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ اس رسالہ کی سرپرستی فرماتے ہوئے اپنا چندہ بھی ارسال فرما دیں اور دیگر احباب کو بھی اس کی خریداری کی طرف متوجہ فرمائیں تاکہ جہاں اس سے ادارہ کو فائدہ ہو وہاں آپ کے لیے بھی صدقہ جاریہ بن سکے۔(ادارہ)

آہ ! ڈاکٹر اِفتخار صاحب بھی چل دیے

﴿ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب، اُستاذ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور ﴾

ابھی حکیم محمد شریف صاحب جگرانوی اور ڈاکٹر سرور چاند صاحب کی وفات کا زخم اچھی طرح مندمل ہونے نہیں پایا تھا کہ ۳۱ر جنوری بروز ہفتہ صبح کے وقت ڈاکٹر سید اِفتخار الدین صاحب بھی داغِ مفارقت دے گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ .

ڈاکٹر صاحب ایک تجربہ کار معالج اور ایک اِنتہائی مخلص وعلم دوست اِنسان تھے، زمانۂ طالب علمی میں ڈاکٹر منیر صاحب اور ڈاکٹر یقین صاحب آپ کے رُفقاء میں شامل تھے۔ شروع میں آپ اپنے قریب کے ایک مدرسہ سے وابستہ تھے، پھر بانی جامعہ مدنیہ حضرت اَقدس مولانا سید حامد میاں صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے آپ کا تعلق بیعت ہوا اور ایسا تعلق ہوا کہ پھر آپ ہی کے ہو کر رہ گئے۔ حضرت سید صاحبؒ بھی آپ سے محبت وشفقت کے ساتھ ساتھ آپ پر انتہائی اعتبار واعتماد فرماتے تھے، اِسی بنا پر حضرت سید صاحبؒ نے آپ کو مدرسے کی شوریٰ کا رُکن بھی بنایا تھا اور آپ ڈاکٹر صاحب سے مدرسے کے اُمور کے علاوہ ذاتی اُمور میں مشورہ بھی کیا کرتے تھے اور آپ کی رائے کو اہمیت دیتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دولت کے ساتھ ساتھ دردمند دِل بھی دیا تھا، اِسی کا ثمرہ تھا کہ آپ دینی اُمور میں دلچسپی لیتے تھے اور خیر کے کاموں میں دِل کھول کر دولت خرچتے تھے۔ مدرسے کے بعض اَساتذہ کی تنخواہیں آپ کے یہاں سے آیا کرتی تھیں اور علماء وطلباء کا علاج آپ بغیر کسی فیس کے کیا کرتے تھے۔

راقم الحروف کا آپ سے تعارف اُستاذ محترم حضرت قاری عبدالرشید صاحبؒ کی وساطت سے ہوا تھا۔ حضرت قاری صاحبؒ اور آپ کے اہل خانہ کی دوائی ڈاکٹر صاحب کے یہاں سے آیا کرتی تھی اِس وجہ سے ناچیز کا حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ اکثر آپ کے مطب پر آنا ہوتا تھا۔

اُس زمانہ میں ڈاکٹر صاحب کے کلینک میں اِس قدر رَش ہوتا تھا کہ بیٹھنے کے لیے جگہ مشکل سے ملتی تھی، کچھ عرصہ بعد راقم کا تعارف تعلق سے بدل گیا، علاج ومعالجہ کے سلسلہ میں اکثر آپ کے یہاں آنا جانا ہوتا رہا، ڈاکٹر صاحب کو کتب بینی کا شوق تھا، راقم کی جب کوئی نئی کتاب شائع ہوتی تو ڈاکٹر صاحب کی خدمت

میں پیش کر کے دُعائیں لیتا، ڈاکٹر صاحب گاہے بگاہے اُردو بازار تشریف لایا کرتے تھے اکثر ایسا ہوتا کہ آپ اُردو بازار تشریف لاتے تو راقم الحروف کے مکتبہ پر بھی ضرور قدم رَنجہ فرماتے۔

ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فن میں مہارت عطا فرمائی تھی اور آپ کے ہاتھ میں شفاء رکھی تھی، آپ کی تشخیص اور تجویز عموماً صحیح ہوتی تھی، راقم الحروف کو اِس کا تجربہ اِس طرح ہوا کہ فروری ۲۰۰۰ء میں جب احقر کی کافی طبیعت خراب ہوئی تو ڈاکٹر صاحب کی طرف رجوع کیا، ڈاکٹر صاحب نے اچھی طرح سے چیک اَپ کر کے بتلایا کہ دِل پر دباؤ ہے، اِسی کی آپ نے دوا تجویز فرمائی۔ احقر نے مزید تسلی کے لیے ہارٹ اسپیشلسٹ ڈاکٹر راشد رَندھاوا صاحب کو دکھایا تو اُنہوں نے بھی مختلف ٹیسٹوں کے بعد وہی تشخیص کی جو ڈاکٹر افتخار صاحب بغیر کسی ٹیسٹ کے کر چکے تھے اور دوائی بھی تقریباً وہی تجویز کی جو اِس سے پہلے ڈاکٹر صاحب تجویز فرما چکے تھے۔ اِس کے بعد تو آپ سے تعلق کیساتھ عقیدت بھی ہوگئی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم سب گھر والوں کو ڈاکٹر صاحب کے علاج پر اِس قدر اعتماد ہو گیا تھا کہ کسی بھی تکلیف میں آپ کے پاس جا کر دِل کو سکون اور اطمینان ہو جاتا تھا، آپ کی وفات پر ہم سب گھر والوں کو دلی صدمہ اور اَفسوس ہوا اور یوں محسوس ہونے لگا جیسے ہم علاج و معالجہ میں یتیم ہو گئے ہیں۔ سچی بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی ذات ہمارے لیے ایک بڑی ڈھارس تھی افسوس کہ اَب وہ ڈھارس ختم ہوگئی، اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلٌّ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی۔

ڈاکٹر صاحب کافی عرصہ سے عارضۂ قلب اور دیگر امراض کا شکار تھے، تقریباً اَسی برس عمر ہو چکی تھی اور صحت روز بروز گرتی جا رہی تھی یہاں تک کہ پیامِ اَجل آ گیا اور ۴ رصفر المظفر ۱۴۳۰ھ/ ۳۱ جنوری ۲۰۰۹ء بروز ہفتہ آپ نے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اِسی روز عصر کی نماز کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ ہوئی اور قبرستان میانی صاحب میں حضرت طاہر بندگی کے جوار میں آپ کی تدفین ہوئی۔

آپ نے اپنے پسماندگان میں اہلیہ، تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی چھوڑی، اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ آپ کی بال بال مغفرت فرما کر آپ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کے پسماندگان کو صبر کی توفیق نصیب ہو، آمین یَا اِلٰہَ الْعَالَمِیْنَ آمین۔

بزمِ قارئین

مکرمی ومحترمی ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

اُمید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔ ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' محرم 1430ھ/ جنوری 2009ء حسب سابق موصول ہوا۔ میں آپ کا ممنون ہوں کہ آپ باقاعدگی سے ماہنامہ اَرسال کرتے رہتے ہیں۔ البتہ میرے پتے کی تبدیلی کی بنا پر بعض اَوقات یہ وقت پر نہیں ملتا۔ اِس لیے آئندہ درج ذیل پتے پر رسالہ اِرسال کر کے ممنون فرمائیں۔

....

میں باقاعدگی سے ماہنامہ پڑھتا ہوں اور ساتھیوں کو بھی پڑھنے کے لیے دیتا رہتا ہوں۔ میرے اور ساتھیوں کے ماہنامہ کے بارے میں اچھے تاثرات ہیں۔ اِس کے مضامین میں تنوع موجود ہے۔ دَورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق اِس میں دینی ودُنیوی دونوں قسم کی معلومات کا احاطہ کیا جاتا ہے۔ ملک کے دُوسرے دینی رسالوں کے مقابلے میں اِس سے کہیں بہتر رہنمائی مل سکتی ہے۔ البتہ اِس کو مزید بہتر بنانے کے لیے (موجودہ ماہنامہ کے تناظر میں) چندایک سفارشات پیشِ خدمت ہیں :

۱۔ مضامین عام فہم اور لوگوں کی ذہنی اِستعداد کے مطابق ہوں مثلاً ''ملفوظات حسین احمد مدنی'' کو آسان بنانے کے لیے بریکٹ کے اَندر وضاحتی الفاظ شامل کیے جائیں۔ اِسی طرح ''**وانزلنا الحدید**'' ایک اہم مضمون ہے جو رسالہ میں شامل کیا گیا مگر اُس کی مکمل وضاحت کی ضرورت ہے تاکہ سائنسی ذوق رکھنے والے حضرات کی تشنگی دُور ہو۔

۲۔ عوام کی رہنمائی اور تربیت کے پیشِ نظر دورِ حاضر کے مسائل مثلاً نکاح، طلاق، گھریلو معاملات تجارت وغیرہ استفتاء کی صورت میں شائع کیے جائیں۔ البتہ اُن مضامین سے احتراز کیا جائے جن سے عوام کے ذہنی انتشار کا خدشہ ہو مثلاً ''حضرت عائشہؓ کی عمر اور حکیم نیاز احمد کا مغالطہ'' اِس قسم کے مضامین کے بجائے تحفظِ ختمِ نبوت، مناقبِ صحابہ وغیرہ آسان پیرائے میں شامل کیے جائیں۔ اِسی طرح ''حقوق العباد'' بہت اچھا عنوان ہے، اِس کو آگے بڑھایا جائے اور اِس کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی جائے۔

۳۔ محرم کے فضائل واَحکام بہت اچھا موضوع ہے مگر اِس کو گزشتہ ماہنامہ میں شائع کرنا چاہیے تھا تاکہ لوگ اِس سے استفادہ کرتے۔ اَب جبکہ یہ مبارک مہینہ بالخصوص یومِ عاشورہ گزر چکا ہے اِس لیے اِس مضمون کی اِتنی اِفادیت نہیں رہی۔

۴۔ مہتمم صاحب کے دورہ صوبہ سرحد کی رپورٹ قابلِ قدر ہے، مگر بہتر ہوتا کہ اُن کے بیانات کے چیدہ چیدہ نکات اِفادۂ عامہ کی خاطر اِس میں شامل کیے جاتے۔

یہ چند تجاویز خدمتِ عالیہ میں پیش خدمت ہیں، اُمید ہے آپ اِن پر غور کرکے ممنون فرمائیں گے۔

آپ کا مخلص

محمد حنیف

اِسلام آباد

باسمہ تعالیٰ

محترم ومکرم محمد حنیف صاحب السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہٗ

ماہنامہ انوارِ مدینہ کا باقاعدہ مطالعہ کرنا اور دُوسروں کو بھی کروانا اور اِس کے حق میں تعمیری رائے اِدارہ کے لیے باعثِ مسرت ہونے کے ساتھ قابلِ قدر بھی ہے۔ آپ کی قیمتی آراء اِدارہ کے لیے راہنما ہیں اِنشاء اللہ اِدارہ اِن سے بھرپور اِستفادہ کرے گا۔

البتہ بعض مضامین تحقیقی اور خالص علمی نوعیت کے ہوتے ہیں اور اپنی اہمیت کی وجہ سے صرف طبقہ علماء کے استفادہ کے لیے شائع کیے جاتے ہیں۔ آپ کی رائے کی روشنی میں اُن کے شروع میں آئندہ ''علمی مضامین'' یا ''صرف علماء کے لیے'' تحریر کردیا جایا کرے گا۔ اِدارہ اُمید کرتا ہے کہ آپ آئندہ بھی اِسی طرح اپنی مفید آراء سے نوازتے رہیں گے۔

والسلام

مدیر ماہنامہ انوار مدینہ

دینی مسائل

﴿ تین طلاق دینے کا بیان ﴾

مسئلہ : اگر کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اَب وہ عورت اِس مرد کے لیے حرام ہوگئی۔ اَب اگر دوبارہ سے اِسی مرد سے نکاح کرلے تو یہ نکاح نہیں ہوا اَور عورت کو اِس مرد کے پاس رہنا حرام ہے۔

مسئلہ : تین طلاقیں ایک دم سے دے دیں جیسے یوں کہہ دیا تجھ کو تین طلاق، یا یوں کہا کہ تجھ کو طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے یا اَلگ کرکے تین طلاقیں دیں جیسے ایک آج دی ایک کل ایک پرسوں یا ایک اِس مہینے ایک دُوسرے مہینے ایک تیسرے یعنی عدت کے اَندر اَندر تینوں طلاقیں دے دیں، سب کا ایک حکم ہے۔

مسئلہ : صاف لفظوں میں طلاق دے کر پھر رَوک رکھنے کا اِختیار اُس وقت ہوتا ہے جب تین طلاقیں نہ دے فقط ایک یا دَو دے جب تین طلاقیں دے دیں تو اَب کچھ نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ : کسی نے اپنی عورت کو ایک طلاقِ رجعی دی پھر میاں راضی ہوگیا اور رُجوع کرلیا پھر دو چار برس میں کسی بات پر غصہ آیا تو ایک طلاقِ رجعی اَور دے دی جس میں روک رکھنے کا اِختیار رہتا ہے پھر جب غصہ اُترا تو رُجوع کرلیا اور نہیں چھوڑا۔ یہ دو طلاقیں ہوچکیں، اَب اِس کے بعد اگر کبھی ایک طلاق اور دے دے گا تو تین پوری ہوجائیں گی اور اِس کا وہی حکم ہوگا کہ دُوسرا خاوند کیے بغیر اِس مرد سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر کسی نے طلاقِ بائن دی جس میں روک رکھنے کا اِختیار نہیں ہوتا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر پشیمان ہوا اور میاں بیوی نے راضی ہوکر پھر سے نکاح پڑھوالیا۔ کچھ زمانے کے بعد پھر غصہ آیا اور ایک طلاقِ بائن دے دی اور غصہ اُترنے کے بعد پھر نکاح پڑھوالیا۔ یہ دو طلاقیں ہوئیں اَب تیسری دفعہ اگر طلاق دے گا تو پھر وہی حکم ہے کہ دُوسرا خاوند کیے بغیر اس سے نکاح نہیں کرسکتی۔

اگر مرد تین طلاقیں دے کر مُکر جائے :

مسئلہ : عورت نے شوہر کو خود تین طلاقیں دیتے سنا۔ بعد میں شوہر مُکر جائے اور عورت کے پاس گواہ بھی نہ ہوں تو عورت اگر سچی ہو تو شوہر کے ساتھ نہ رہے بلکہ اگر ہوسکے تو شوہر کو کچھ مال دے کر اُس سے خلاصی حاصل کرلے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو یا شوہر نہ مانے تو وہاں سے بھاگ جائے۔ اگر شوہر اپنے ساتھ رہنے

اور صحبت وغیرہ پر مجبور کرے تو شوہر کو مار سکتی ہے لیکن زہر کھلا کر تا کہ قصاص نہ آئے۔

مسئلہ : تین طلاقوں کے بعد اگر پھر اُسی مرد کے ساتھ رہنے چاہے اور نکاح کرنا چاہے تو اُس کی فقط ایک صورت ہے وہ یہ ہے کہ پہلے کسی اور مرد سے نکاح کر کے ہم بستر ہو پھر جب وہ دُوسرا مرد مر جائے یا طلاق دے دے تو عدت پوری کر کے پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ اِس کو ''حلالہ'' یعنی عورت کا اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہونا کہتے ہیں۔ دُوسرا خاوند کیے بغیر پہلے خاوند سے نکاح نہیں کر سکتی۔ اگر دُوسرا خاوند تو کیا لیکن ابھی وہ صحبت بھی نہ کرنے پایا تھا کہ مر گیا یا صحبت کرنے سے پہلے ہی طلاق دے دی تو اِس کا کچھ اعتبار نہیں۔ پہلے مرد سے جب ہی نکاح ہو سکتا ہے کہ دُوسرے مرد نے صحبت بھی کی ہو اگرچہ اِس میں اِنزال شرط نہیں ہے۔ اِس کے بغیر پہلے مرد سے نکاح دُرست نہیں۔

مسئلہ : اگر دُوسرے مرد سے نکاح کے اِیجاب وقبول کے درمیان یہ شرط ٹھرائی کہ وہ صحبت کر کے عورت کو چھوڑ دے گا تو اِس اقرار لینے کا اعتبار نہیں۔ اُس کو اختیار ہے چاہے چھوڑے یا نہ چھوڑے اور جب جی چاہے چھوڑے۔ اور نکاح کے وقت یہ شرط کر کے نکاح کرنا بہت گناہ ہے۔ اِس طرح ایسے نکاح پر دُوسرے مرد کا اُجرت لینا بھی حرام ہے لیکن نکاح ہو جاتا ہے۔ تو اگر اُس نکاح کے بعد دُوسرے خاوند نے صحبت کر کے طلاق دے دی یا مر گیا تو عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔

مسئلہ : اگر دُوسرا مرد نہ تو اِیجاب وقبول میں چھوڑنے کی شرط کرے اور نہ ہی اُجرت طلب کرے اور محض بچوں کی مجبوری کی وجہ سے یا اور کسی مجبوری وجہ سے کہ جس کا تدارک بڑا دُشوار ہو عورت سے نکاح کر کے اور صحبت کرنے کے بعد پھر طلاق دے دے تو اِس کی گنجائش ہے۔ لیکن بلا مجبوری کے ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔

مسئلہ : پاکستان کے عائلی قوانین کے تحت طلاق کا نوٹس بھیجنے کے بعد نوے دن کے اَندر زوجین کے درمیان مصالحت ہو جانے پر طلاق اگرچہ تین ہی دی ہوں کالعدم قرار پاتی ہیں۔ شریعت کے نزدیک یہ بات باطل ہے، دی ہوئی طلاق کالعدم نہیں ہوتی۔

مسئلہ : تین طلاقوں کا کوئی کفارہ نہیں ہوتا۔

مسئلہ : طلاق نامہ میں اکھٹی تین طلاقیں لکھنے والے وکیل اور اشٹام فروش اِس سے گناہ گار ہوتے ہیں اور لاعلم شوہر کے ساتھ ظلم وزیادتی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ (جاری ہے) ✿ ✿ ✿

اَخبارالجامعہ

﴿ جامعہ مدنیہ جدید محمد آباد رائیونڈ روڈ لاہور ﴾

١٦ ؍صفر المظفر ١٤٣٠ھ مطابق ١٢؍فروری ٢٠٠٩ء کو جامعہ مدنیہ جدید کی مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس ہوا جس میں تعلیمی، تعمیراتی اور مالیاتی اُمور پر گفتگو ہوئی، تمام اُمور پر ممبران نے اطمینان کا اظہار کیا اور اجلاس بخیر وخوبی مکمل ہوا، والحمدللہ۔

١٧؍فروری کو جناب حاجی یامین صاحب کراچی سے جامعہ مدنیہ جدید تشریف لائے جامعہ کے تعلیمی وتعمیری حالات دیکھ کر خوشی ومسرت کا اِظہار کیا۔

١٩؍فروری کو شبانِ ختم نبوت کے مولانا عبدالرزاق صاحب جامعہ مدنیہ جدید تشریف لائے اور طلباء سے ختم نبوت کے موضوع پر بیان فرمایا۔

٢٠؍فروری کو جامعہ کے درجہ خامسہ کے طالب علم محمد عابد نے آصل سلیمان میں واقع مسجد میں ختم نبوت کے موضوع پر بیان کیا جس سے متاثر ہوکر چھ عیسائی مشرف بہ اِسلام ہوئے۔

٢١؍فروری کو شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب دورہ حدیث شریف کے طالب علم جان محمد صاحب کی دعوت پر اُن کے بھتیجے کے قرآن پاک ختم ہونے پر اُن کے گاؤں عبدالقدوس تشریف لے گئے۔حضرت نے فضائل قرآن کے موضوع پر بیان فرمایا۔

٢٢؍فروری کو شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب، فاضلِ جامعہ مدنیہ مولانا مفتی مختار صاحب کی دعوت پر جامعہ علوم اِسلامیہ رچنا ٹاؤن شاہدرہ صبح 11:30 بجے تشریف لے گئے جہاں قرآن مجید اور اِسلام کی عظمت کے موضوع پر بیان فرمایا نیز بیان کے بعد طلباء میں اِنعامات تقسیم فرمائے۔

٢٥؍فروری کو جناب حافظ فرید احمد صاحب شریفی کراچی سے جامعہ مدنیہ جدید تشریف لائے، جامعہ کے تعلیمی وتعمیری حالات دیکھ کر خوشی ومسرت کا اِظہار کیا۔

وفیات

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

۳۱؍جنوری کو جامعہ مدنیہ جدید کے رُکن شوریٰ اور خازن ڈاکٹر سید اِفتخار الدین صاحب مرحوم طویل علالت کے بعد اِنتقال فرما گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ مرحوم کی عمر تقریباً اَسی برس ہوئی۔ مرحوم پینتیس چالیس سال سے جامعہ کی شوریٰ کے رُکن چلے آرہے تھے۔

حضرت اَقدسؒ بانی جامعہ کی وفات کے بعد سے مرحوم نے اپنے مرشد کی خواہش کے احترام میں جامعہ مدنیہ جدید کی ترقی کے لیے اپنی جدو جہد میں غیر معمولی اِضافہ کر دیا اور ہمہ تن اِس میں مصروف ہو گئے اپنی علالت کے دوران بھی جامعہ مدنیہ جدید سے اپنے قلبی لگاؤ پر قابو نہ رکھ پاتے اور زندگی کے آخری سانس تک اِس کارِ خیر کو جاری رکھے رکھا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی وفات سے جامعہ مدنیہ جدید ایک بہت ہی مخلص مشیر ومعاون سے محروم ہو گیا۔ اُن کی کمی بہت عرصہ محسوس کی جاتی رہے گی، دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے اور اُن کی خدمات کو شرفِ قبولیت سے سرفراز اور مغفرت کا معاملہ فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ کارکنانِ اِدارہ اُن کے پسماندگان کی خدمت میں تعزیتِ مسنونہ پیش کرتے ہوئے دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

اس موقع پر ایک نظم کے اشعار بھی پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو الحاج محمود صاحب عارفؔ خلیفہ مجاز بڑے حضرتؒ نے مرحوم ڈاکٹر صاحب کے بارے میں کہے تھے :

افتخارالدین سیّد ، صاحبِ عز و وقار جامعہ کے واسطہ ہیں مایۂ صد افتخار
وہ امیر جامعہ کے اِک رفیقِ کار ہیں پاک طینت نیک فطرت صاحبِ ایثار ہیں

جناب الحاج غلام سبحانی صاحب (لاہور میڈیسن والے) گزشتہ ماہ کی ۲۳؍تاریخ کو مدینہ منورہ میں تقریباً ۸۳ برس کی عمر پاکر رِحلت فرما گئے۔ مرحوم انتہائی حلیم، خلیق اور عاجز مزاج اِنسان تھے، برائی کا صلہ اچھائی اُن کی فطرت کا حصہ تھا۔ پندرہ بیس برس سے مدینہ منورہ میں وہاں کی موت کے انتظار میں مقیم تھے

مدینہ منورہ سے باہر کہیں نہیں جاتے تھے کہ کہیں وہاں ہی موت نہ آجائے ۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی یہ تمنا پوری فرما کر جنت البقیع میں تدفین کی سعادت نصیب فرمائی۔ اہلِ ادارہ اُن کے پسماندگان خصوصًا صاحبزادہ محترم اور اُن کے داماد محترم الحاج ڈاکٹر شاہد اُویس صاحب مدظلہ کی خدمت میں تعزیتِ مسنونہ پیش کرتے ہوئے دُعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

✡

یکم فروری کو لندن میں جامعہ مدنیہ لاہور کے فاضل مولانا محمد عمران صاحب جہانگیری اچانک حرکت قلب بند ہونے سے وفات پاگئے ۔ مرحوم بہت خوش خُلق اور ملنسار اِنسان تھے۔ جامعہ مدنیہ جدید سے قلبی لگاؤ رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ مولانا کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اُن کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق نصیب ہو۔

✡

٢١ رفروری کو جامعہ مدنیہ جدید کے فاضل مولانا عمران صاحب کے والد صاحب اسلام آباد میں وفات پاگئے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اُور اُن کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق نصیب ہو۔

✡

جامعہ مدنیہ جدید کے متعلم محمد انعام اللہ کے دادا اُور محمد شہباز کے دادا بھی گذشتہ ماہ وفات پاگئے۔

جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہِ حامدیہ میں جملہ مرحومین کے لیے ایصال ثواب کرایا گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔

جامعہ مدنیہ جدید و مسجد حامدؒ

کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیجیے

بانیٔ جامعہ حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ نے جامعہ مدنیہ کی وسیع پیمانے پر ترقی کے لیے محمد آباد موضع پاجیاں (رائیونڈ روڈ لاہور نزد چوک تبلیغی جلسہ گاہ) پر برلبِ سڑک جامعہ اور خانقاہ کے لیے تقریباً چوبیس ایکڑ رقبہ ۱۹۸۱ء میں خرید کیا تھا۔ جہاں الحمد للہ تعلیم اور تعمیر دونوں کام بڑے پیمانہ پر جاری ہیں۔ جامعہ اور مسجد کی تکمیل محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی طرف سے توفیق عطاء کیے گئے اہلِ خیر حضرات کی دُعاؤں اور تعاون سے ہوگی۔ اِس مبارک کام میں آپ خود بھی خرچ کیجیے اور اپنے عزیزواقارب کو بھی ترغیب دیجیے۔ ایک اندازے کے مطابق مسجد میں ایک نمازی کی جگہ پر دس ہزار روپے لاگت آئے گی، حسبِ استطاعت زیادہ سے زیادہ نمازیوں کی جگہ بنوا کر صدقۂ جاریہ کا سامان فرمائیں۔

منجانب

سیّد محمود میاں مہتمم جامعہ مدنیہ جدید و اَراکین اور خدام خانقاہِ حامدیہ

خطوط، عطیات اور چیک بھیجنے کے پتے

1۔ سیّد محمود میاں ''جامعہ مدنیہ جدید'' محمد آباد 19 کلومیٹر رائیونڈ روڈ لاہور

فون نمبر : 5330310 - 42 - 92+ - 5330311 - 42 - 92+

2۔ سیّد محمود میاں ''بیت الحمد'' نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور

فون نمبر : 7726702 - 42 - 92+ - 7703662 - 42 - 92+

موبائل نمبر 4249301 - 333 - 92+ V فون نمبر : 6152120 - 42 - 92+

جامعہ مدنیہ جدید کا اکاؤنٹ نمبر 0-7915 مسلم کمرشل بینک کریم پارک برانچ (0954) لاہور (آن لائن)

مسجد حامد کا اکاؤنٹ نمبر 1-1046 مسلم کمرشل بینک کریم پارک برانچ (0954) لاہور (آن لائن)